ماہنامہ

طلوعِ اسلام

لاہور

جولائی ۲۰۰۱ء

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ہماری نمازیں اور روزے بے نتیجہ کیوں؟

کیا غیر مسلموں کو نیک کاموں کا ثواب ملتا ہے

نئی بُت پرستی

وراثتِ زمین

(عبدالستار نیازی مرحوم کا مضمون)

تصوّف کی بھُول بھلیاں

The Status of Hadith

مجلّہ طلوعِ اسلام کا اجراء 1938ء میں علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر عمل میں آیا

قُرآنی نظامِ رُبُوبیّت کا پیامبر

ماہنامہ
طلوعِ اسلام
لاہور

قیمت فی پرچہ
-/15
روپے

خط و کتابت
ناظم ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) ۲۵-بی گلبرگ ۲
لاہور ۵۴۶۶۰
ٹیلی فون: 5714546-5753666
idara@toluislam.com

بدل اشتراک
سالانہ
پاکستان -/170 روپے
غیر ممالک -/800 روپے

Bank Account Number 3082-7 National Bank of Pakistan, Main Market Gulberg Branch, Lahore.

جلد 54 | جولائی 2001ء | شمارہ نمبر 07

ایڈیٹر

محمد سلیم اختر

مجلس مشاورت

✡ ڈاکٹر صلاح الدین اکبر

✡ محترمہ شمیم انور

اکاؤنٹینٹ ---------- محمد زمرد بیگ

کمپوزر ---------- شعیب حسین

انتظامیہ

چیئرمین ---------- ایاز حسین انصاری

ناظم ---------- محمد سلیم اختر

ناشر ---------- عطاء الرحمان ارائیں

قانونی مشیر

◉ عبداللہ ثانی ایڈووکیٹ

◉ ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ

◉ محمد اقبال چوہدری ایڈووکیٹ

پرنٹرز: آفتاب عالم پریس، ہسپتال روڈ، لاہور-فون: 7232584

فہرست

لمعات	ایاز حسین انصاری	3
ہماری نمازیں اور روزے بے نتیجہ کیوں ہیں؟	غلام احمد پرویزؒ	6
وراثت زمین	عبدالستار خان نیازی (مرحوم)	11
نئی بت پرستی	زیڈ۔ نصیر	25
عبرت آموز	ادارہ	33
غیر مسلموں کے نیک کاموں کے ثواب کا مسئلہ	ادارہ	38
تصوف کی بھول بھلیاں	علی محمد چدھڑ	43

ENGLISH SECTION

The Status of Hadith........
Saga of Hadith
Allama Aslam Jirajpuri
Translated by Aboo B. Rana 64

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

چیف ایگزیکٹو پاکستان، جنرل پرویز مشرف نے ۲۰ جون ۲۰۰۱ء کو صدر مملکت کا عہدہ بھی سنبھال لیا۔ چیف ایگزیکٹو آرڈر کے تحت سینٹ، قومی اور صوبائی اسمبلیاں توڑ دی گئیں، اسی کے ساتھ ہی چیئرمین سینٹ، قومی و صوبائی اسمبلیوں کے سپیکر اور ڈپٹی سپیکر کے عہدے بھی کالعدم ہو گئے۔ صدر مملکت جناب پرویز مشرف صاحب نے کہا ہے کہ انہوں نے صدر کا عہدہ سنبھالنے کا فیصلہ عظیم تر قومی مفاد میں کیا ہے۔

ملوکیت میں آخری فیصلہ کن اتھارٹی بادشاہ کی ذات ہوتی ہے۔ آمریت میں ڈکٹیٹر اور مغربی جمہوریت میں عوام۔ قرآن کریم کی رو سے یہ اتھارٹی نہ بادشاہ کو حاصل ہوتی ہے، نہ ڈکٹیٹر کو نہ عوام کو حاصل ہوتی ہے نہ خواص کو یہ اقتدار صرف خدا کو حاصل ہوتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے کہ

ان لحکم الا للہ (۱۲/۴۰)۔ آخری فیصلے دینے کا حق صرف خدا کو حاصل ہے۔
لا یشرک فی حکمہ احدا وہ اپنے اس حق میں کسی کو شریک نہیں کرتا اس کی عملی شکل یہ ہے کہ حکومت خدا کی کتاب (قرآن مجید) کے احکام و اصول کے مطابق قائم ہوگی۔ حضور اکرمؐ نے پہلی اسلامی حکومت قائم کی تھی۔ ان کو کہا گیا کہ تم ان میں کتاب اللہ کے مطابق حکومت قائم کرو (۵/۴۸) اور انسانوں کو کہا کہ
ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکفرون (۵/۴۴) ''جو کتاب اللہ کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے وہ ہی لوگ کافر ہیں''

لہٰذا کوئی قانون، حکم یا فیصلہ جو قرآنی احکام و اصول کے خلاف ہوگا وہ قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

اسلامی مملکت کا نظام حکومت شورائیت پر مبنی ہے۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ
امرھم شوری بینھم (۴۲/۳۸) ''امرھم'' میں سربراہ مملکت کے انتخاب سے لے کر جملہ امور مملکت تک شامل ہیں جو امت کے مشورے سے طے پائیں گے۔ اسی بنا پر حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ لا خلافت الا بمشارۃ (کنز الایمان) جو مملکت مشاورت کے بغیر قائم ہوگی وہ خلافت نہیں ہو سکتی بلکہ وہ ملوکیت ہوگی۔ (البتہ حضورؐ منصب رسالت کی حیثیت سے خود سربراہ مملکت تھے۔ آپ کی سربراہی امت کے مشورہ سے عمل میں نہیں آئی تھی۔ رسولؐ اللہ کو حکم دیا گیا کہ اپنے رفقاء سے مشورہ کرو۔ **وشاورھم فی الامر (۳/۱۵۸)** ''امور مملکت میں ان سے مشورہ کیا کرو''، لیکن حضورؐ کے بعد یہ صورت نہیں تھی)۔ قرآن کی رو سے یہ دعویٰ قطعاً غلط ہے کہ خدا کا کوئی نمائندہ ہے۔ اس نے ایک ضابطہ قوانین نازل کر دیا ہے۔ اس ضابطے کی اطاعت خدا کی اطاعت ہوگی۔

یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ قرآن مجید اسلامی مملکت کے لئے اصولی آئین کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کتاب (قرآن مجید) کا آئین بننے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ ایک پارلیمان وجود میں آئے، آئین سازی کرے، اکثریت رائے سے اس آئین کو تسلیم کرے، سربراہ مملکت توثیق کرے وغیرہ۔ قرآن ان رسومات کا محتاج نہیں۔ امت مسلمہ کا آئین قرآن مجید ہے اور ہمیشہ اس کا آئین رہے گا۔ امت مسلمہ کے لئے وہ حدود متعین کرتا ہے جن کے اندر رہتے ہوئے امت کی مملکت اپنے اختیار کا استعمال کرتی ہے۔

قرآن کریم کے مطابق مملکت پوری کی پوری امت کی ہوتی ہے۔ کسی غلط اقدام کو کالعدم قرار دے کر اس کی جگہ صحیح راستہ اختیار کرنے کو قرآن کی اصطلاح میں توبہ کہا جاتا ہے اور توبہ کے متعلق اس نے کہا کہ

''بارگاہ خداوندی میں توبہ ان کی قبول ہوتی ہے جو لاعلمی کی وجہ سے کوئی غلط کام کر بیٹھیں تو اس کا علم ہو جانے کے بعد بلا تاخیر اس کی اصلاح کر لیں۔ اسی سے غلط اقدام کے نقصان کی تلافی ہو سکتی ہے۔ خدا سب کچھ جانتا ہے اور اس کا ہر قانون حکمت پر مبنی ہے (۴/۱۷) اور ان لوگوں کی توبہ قابل قبول نہیں ہوتی جو علم ہو جانے کے بعد بھی غلط اقدامات پر مصر رہیں اور ان پر اس وقت نادم ہوں جب موت ان کے سامنے

آ کھڑی ہو یا وہ احکام خداوندی سے انکار و سرکشی کی حالت ہی میں دنیا سے رخصت ہو جائیں۔ ان کے لئے خدا نے الم انگیز عذاب تیار کر رکھا ہے (۴/۱۸)۔

ارشاد خداوندی ہے۔

الذین ان مکنھم فی الارض اقامو الصلوۃ وامروا بالمعروف ونھو عن المنکر ولله عاقبة الامور (۲۲/۴۱)

اگر ہم نے انہیں ملک میں حکومت عطا کر دی۔ انہیں اقتدار حاصل ہو گیا تو یہ نظام صلوٰۃ قائم کریں گے۔ یہ تمام نوع انسانی کو سامان نشو و نما بہم پہنچائیں گے۔ یہ ان احکام کو نافذ کریں گے جنہیں قانون خداوندی (قرآن) صحیح تسلیم کرتا ہے اور تمام ایسے کاموں سے روکیں گے جنہیں وہ جائز قرار نہیں دیتا۔ غرضیکہ (یہ ہر معاملہ کے متعلق دیکھیں گے کہ اس باب میں خدا کا قانون کیا کہتا ہے۔ اس طرح بحث و تمحیص اور باہمی مشاورت کے بعد آخر الامر ہر معاملہ کا فیصلہ قانون خداوندی کے مطابق ہوگا۔ (۴۴/۵)۔

جب نظام معاشرہ کو اقتدار خداوندی کے تابع رکھا جائے تو وہ قوم ہر لحاظ سے "اعلون" کے مقام پر پہنچ جاتی ہے۔ یعنی دنیا کی کوئی قوم اس کے ہم دوش نہیں ہو سکتی۔ لیکن اگر وہ ان اقدار سے بے اعتنائی برتتی ہے تو سیاسی غلبہ، تسلط، عسکری قوت و حشمت یا معاشی فراوانی اسے تباہی سے نہیں بچا سکتی۔ قرآن مجید نے اس حقیقت کو سورۃ الانبیاء میں بیان کیا ہے (۲۱/۱۱-۱۵)

ہم نے اپنا فریضہ سمجھتے ہوئے قرآن کریم کی ان تصریحات کو مختصراً پیش کر دیا ہے۔ یہ مخلصانہ معروضات صدر مملکت جناب پرویز مشرف صاحب تک پہنچانے کی کوشش ہے۔ اس کے بعد ان کا اور ان کے خدا کا معاملہ ہے۔ جس طرح انہوں نے حال ہی میں سیرت کانفرنس میں علماء کے سامنے تقاریر کی ہیں وہ ان کی جرأت مندانہ حق گوئی کا ثبوت ہے۔ ہمیں قوی امید ہے کہ وہ اپنی اولین فرصت میں مملکت خداداد پاکستان میں قرآنی آئین کے نفاذ کے ذریعے قرآنی معاشرہ کے قیام کی داغ بیل ڈالیں گے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ڈاکٹر شبیر احمد کی کتابیں

(۱) نئی صدی، نیا الف

(۲) ہندو اور رام راج کے خواب

اور

(۳) میں کرسچن کیوں نہیں ہوں؟

درج ذیل پتوں سے حاصل کریں:

مثال پبلشنگ ۲۲ حبیب بنک بلڈنگ، چوک اردو بازار، لاہور

نیز طلوع اسلام ٹرسٹ، ۲۵ بی گلبرگ ۲، لاہور

CM 6780 18/10/...

امت مسلمہ کا ہر فرد جاننا چاہتا ہے کہ

فرقے کیسے مٹ سکتے ہیں؟

اس اہم اور پریشان کن سوال کا جواب

صرف ایک خط لکھ کر

مفت

حاصل کیجئے

ادارہ طلوع اسلام رجسٹرڈ، 25 بی، گلبرگ 2، لاہور

Ph:42-5714546

Email: Idara@toluislam.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غلام احمد پرویز

ہماری نمازیں اور روزے بے نتیجہ کیوں ہیں؟

سلیم! میرے مضامین پڑھ کر جو خیالات تمہارے دل میں پیدا ہوئے وہ بالکل فطری ہیں اور ہر اس شخص کے دل میں پیدا ہونے چاہئیں جو قرآن کریم کا خالی الذہن ہو کر مطالعہ کرتا ہے اور جس کی نگاہ ان حقائق کی متلاشی ہوتی ہے جنہیں خدا نے اس کتاب مبین میں بے نقاب کر کے رکھ دیا ہے اور جو قوموں کی تباہی و بربادی اور فوز و فلاح کے لئے غیر متبدل اور اٹل قوانین ہیں۔ تم میرے مسلک سے واقف ہو۔ میں قرآن کو مسلمانوں ہی کی نہیں بلکہ تمام نوع انساں کی انفرادی اور اجتماعی مشکلات کا واحد حل اور زندگی کے مصائب و آلام کا حتمی علاج سمجھتا ہوں اور میرا یہ عقیدہ محض خوش فہمی پر مبنی نہیں بلکہ میں علیٰ وجہ البصیرت اس کا یقین رکھتا ہوں، ایسا یقین جو وجہ طمانیت قلب اور باعث تسکین روح ہوا کرتا ہے، نہ کہ توہم پرستی کا پیدا کردہ فریب نفس جسے یقین اور اطمینان کا نام دے دیا جاتا ہے۔

تم پوچھتے ہو، اور ایسا پوچھنے میں تم بالکل حق بجانب ہو، کہ جب مسلمانوں کی ایک کثیر جماعت آج نمازیں بھی پڑھتی ہے، روزے بھی رکھتی ہے، زکوٰۃ بھی دیتی ہے، حج کا فریضہ بھی ادا کرتی ہے، تو ان اعمال کا وہ نتیجہ مرتب کیوں نہیں ہوتا جو عہد محمدؐ رسول اللہ والذین معہ (حضور نبی اکرمؐ اور صحابہؓ کے عہد) میں ہوتا تھا۔ چونکہ تم فلسفیانہ موشگافیوں اور منطقیانہ اصطلاحات میں الجھنے کے عادی نہیں، اور نہ ہی یہ طریق ان حقائق کو سمجھنے کے لئے چنداں مفید ہوتا ہے، اس لئے تمہیں کھلے کھلے الفاظ میں بتانا چاہتا ہوں کہ آج ہمارے یہ ''اعمالِ حسنہ'' کیوں بے نتیجہ رہتے ہیں۔

سلیم! ذرا غور کرو کہ جاڑے کا موسم ہے۔ سخت سردی کا دن۔ شام کے قریب، جبکہ آفتاب کی شعاعوں میں تمازت باقی نہیں رہی، رحمت کی بیوی اپنے خوردسال بچوں کو لے کر اپنی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں بیٹھی ہے۔ رحمت کی بیوی کو تم جانتے ہو؟ تم بچپن میں ان کے ہاں کھیلنے جایا کرتے تھے۔ عمر کا تقاضا تھا کہ اس کے چہرے پر شگفتگی و شادابی ہوتی۔ لیکن مسلسل فاقوں نے اسے ایسی افسردگی اور پژمردگی میں بدل دیا تھا کہ وہ ایک اجڑا ہوا بہشت معلوم ہوتا تھا جس پر سوائے نور عصمت کے (جو ہر ایسی پاک دامن بی بی کے چہرے پر ہونا چاہئے) رونق اور زندگی، تازگی اور بشاشت کا کوئی نشان تک باقی نہ تھا۔ ہاں! وہ اپنے بچوں کو لے کر چولہے کے قریب آ بیٹھی۔ خشک ٹہنیاں، سوکھے ہوئے پتے، خس و خاشاک، دوپہر کو اکٹھا کر لائی تھی۔ انہیں سلگا دیا تا کہ بچے آگ تاپتے رہیں۔ لیکن بچوں کو تو سردی سے زیادہ بھوک ستا رہی تھی۔ اس نے ان کے پیہم معصوم تقاضوں سے مجبور ہو کر ہنڈیا میں خالی پانی ڈال کر چولہے پر چڑھا دیا اور یوں ان ننھے بچوں کو نہیں! خود اپنے آپ کو فریب دے لیا۔ ہر آہٹ پر کان اور ہر جنبش پر نگاہ تھی۔ بچے اور ان کی ماں رہ رہ کر گلی کی طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ سورج ڈوب گیا تو گلی کے دوسرے کنارے سے رحمت آتا دکھائی دیا۔ ننگے پاؤں، پنڈلیاں گرد و غبار سے اٹی ہوئی، گھٹنوں تک پرانا تہمد، پھٹا ہوا گاڑھے کا کرتا جس کی آستینیں بوسیدہ ہونے

کی وجہ سے کہنیوں تک چڑھا رکھی تھیں۔ بس' اس شدت کے جاڑے میں یہی کل کائنات' چہرے پر زردی چھائی ہوئی' ہونٹوں پر پپڑیاں جمی ہوئیں' گھر کی طرف قدم اٹھاتا' لیکن قدم بمشکل اٹھتا۔ دروازے کے قریب آیا تو بیوی نے خاموشی سے بسم اللہ کہہ کر استقبال کیا۔ دونوں بچے ٹانگوں سے لپٹ گئے۔ بیوی نے ایک حسرت بھری نگاہ میاں کے افسردہ چہرے پر ڈالی۔ اس کی غم آلود آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا رہے تھے۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا کہ مجھے تو آج بھی کہیں مزدوری نہیں ملی۔ دن بھر ادھر ادھر پھرتا' لوگوں کی منتیں خوشامدیں کرتا رہا لیکن کوئی کام نہ مل سکا۔

عین اس وقت سامنے کی مسجد میں خواجہ صاحب کی طرف سے دو ہزار روپے کا گراں بہا قالین بچھایا جا رہا تھا اور نمازی اسلام کی شوکت وعظمت پر ایک دوسرے کو مبارک باد اور خواجہ صاحب کو جنت کی بشارتیں دے رہے تھے۔

☆☆☆

سلیم! تم عنایت اللہ کو جانتے ہو نا! وہ تمہارے ساتھ پڑھا کرتا تھا۔ کس قدر ذہین اور کیسا شریف بچہ تھا؟ لیکن بچپن میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اس کی ماں دن بھر محنت مزدوری کرتی اور بچہ کی پرورش کا سامان مہیا کرتی۔ لیکن جب مزدوری مردوں کو نہ مل سکے تو عورتوں کو مزدوری کہاں سے ملے؟ میں نے اپنی کھڑکی سے دیکھا کہ صبح مدرسے جاتے وقت ماں نے بچہ کو چھاتی سے لگایا۔ آنکھوں میں آنسو امنڈ آئے۔ لیکن دل کو کڑا کر کے بیٹے کو تسلی دی کہ مدرسے سے ہو آؤ۔ بس تمہارے آنے پر روٹی تیار ملے گی۔ میں ابھی پکاتی ہوں۔ جاؤ میرا بیٹا! خدا حافظ!

سلیم! اگر ہمت ہو تو اس ماں کے دل کی گہرائیوں میں اتر کر دیکھو کہ بیٹے کو یوں بھوکا مدرسے بھیجتے وقت اس کے سینے میں کس قیامت کے جذبات غم وحزن کا طوفان برپا ہوگا۔ وہ غربت وفلاکت کا مجسمہ چپکے سے مدرسے چلا گیا۔ شام کو آیا۔ ماں گھر پر نہ تھی۔ شاید دانستہ باہر چلی گئی ہوگی کہ بھوکے بیٹے کو کس طرح دیکھ سکے؟ عنایت اللہ نے اندر آ کر سب سے پہلے روٹی والے رومال کو کھولا تو اس میں کچھ نہ تھا۔ خاموش باہر چلا گیا۔ گلی میں سے گزر رہا تھا کہ سامنے خان صاحب کے مکان میں سینکڑوں مسلمانوں کا اجتماع تھا۔ متنوع پھل' قسم قسم کی مٹھائیاں میزوں پر چنی رکھی تھیں کہ آج خان صاحب کے بچے کی پہلی افطاری کی تقریب تھی۔ یہ دو وقت کا بھوکا یتیم' انہیں دیکھتا ہوا چلا گیا کہ چوک میں کچھ بوجھ مل جائے تو ایک پیسے کے چنے لے سکے۔

☆☆☆

سلیم! تم نے مائی بھولی کو دیکھا ہے؟ وہ اندھی بڑھیا جو پاگل ہو رہی ہے۔ لیکن تم نے اس کے بیٹے کو شاید نہیں دیکھا۔ اٹھارہ سال کا نوجوان بیٹا۔ اس کا باپ مدت ہوئی چالی پر سے گر کر مر گیا تھا۔ عمارت بنوانے والے نے دوسرے دن اور مزدور کام پر لگا لیا اور کسی کو خبر تک بھی نہ ہوئی کہ کس کا سہاگ لٹ گیا اور کون یتیم ہو گیا۔ اس بچہ کو مائی بھولی نے بڑی مشقت سے چرخہ کات کات کر پالا تھا۔ جس سال بڑے زور کا انفلوئنزا پھیلا تھا' وہ لڑکا بھی بیمار ہو گیا۔ محلہ میں ایک حکیم جی تھے۔ وہ غریبوں کو نسخہ مفت لکھ دیا کرتے تھے۔ بھولی وہاں سے نسخہ تو لکھوا لائی لیکن اٹھنی کے پیسے پاس نہ تھے کہ دوائی خرید سکے۔ سلیم! باور کرو کہ اس نے محلے کے ایک ایک گھر میں جا کر منتیں کیں کہ کہیں سے کچھ پیسے قرض مل جائیں۔ لیکن کسی نے کچھ نہ دیا۔ نسخہ ہاتھ میں تھا اور سامنے جوان بیٹا جان توڑ رہا تھا۔ بچارا تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ یہ اس دن کا واقعہ ہے جس دن حاجیوں کی اسپیشل ٹرین روانہ ہوئی تھی اور سینکڑوں روپوں کے پھول اسٹیشن پر بکھرے پڑے تھے۔

☆☆☆

اور تم نے رضیہ بچاری کا پیغام تو اگلے دنوں خود اپنے کانوں سے سن لیا تھا۔ ذرا اندازہ لگاؤ کہ اسے جوان بھائی کے مرنے کی اطلاع ملتی ہے لیکن اس کے پاس اتنے

کپڑے نہیں کہ تن ڈھانپ کر گھر کی چار دیواری سے باہر نکل سکے۔ جب اس نے کپڑے بھی مستعار مانگے تھے تو ظاہر ہے کہ بچاری کے پاس زادِ راہ کیا ہو گا۔ اس نے گاؤں کے چوکیدار کو کہلا بھیجا کہ وہ اس کے ساتھ جائے لیکن جب اسے معلوم تھا کہ رضیہ کے پاس کچھ نہیں تو وہ بلا اجرت کیسے ساتھ چلا جاتا؟ گاؤں میں دور نزدیک کے رشتہ دار بھی تھے لیکن کسے فرصت تھی کہ اس کی مصیبت میں اس کے ساتھ ہو لے؟ سارا گاؤں فتو خاں نمبردار کے لڑکے کی شادی کی تیاری میں مصروف تھا۔ غریب اکیلی، چلچلاتی دھوپ میں پیدل روانہ ہو گئی کہ مرنے والے کا منہ تو دیکھ لے۔ (یہ وہی رضیہ تھی جس نے بچپن میں اپنے مرحوم باپ کی معیت میں جو (''شمش العلماء'' تھے' دو حج کئے تھے)۔ اور یہ اس گاؤں کا واقعہ ہے جس کے مسلمان مذہبی معاملات میں اپنے کٹرپن میں مشہور ہیں۔ لیکن وہ ''مذہبی معاملات'' کیا ہیں؟ ذرا سن لو۔ مقلد اور غیر مقلد کے جھگڑے تو وہاں شروع سے چلے آتے تھے۔ اس دفعہ جو میں وہاں گیا ہوں تو ایک اور جھگڑا سننے میں آیا۔ خود مقلدوں کے ہاں بھی دو پارٹیاں بن رہی تھیں اور آپس میں سر پھٹول تک نوبت پہنچ گئی تھی۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ایک ''عظیم الشان'' مسئلہ کے اختلاف کی وجہ سے یہ تنازعہ پیدا ہوا ہے۔ کہیں سے ایک مولوی صاحب تشریف لائے۔ یہ مولوی صاحب بقول ایک گروہ کے بہت ''بھاری'' مولوی تھے۔ تین تین کوس تک ان کی آواز جاتی تھی۔ انہوں نے مسئلہ بیان کیا کہ مسجد کی شان رسول اللہ کی شان سے بڑی ہے۔ کیونکہ رسول اللہ خود مسجد میں چل کر آتے تھے اور مسجد کبھی ان کے پاس چل کر نہیں جاتی تھی۔ گاؤں کے مولوی صاحب کو اس سے اختلاف تھا۔ وہ رسول اللہ کی شان کو مسجد کی شان سے بڑا سمجھتے تھے۔ پھر کیا تھا' دو پارٹیاں بن گئیں۔ باہمی جھگڑے ہوئے' لڑائیاں ہوئیں' مقدمہ بازی تک نوبت پہنچی۔ قریب سال بھر ہو گیا یہ آگ آگے ہی آگے بڑھتی جا رہی ہے اور ہر فریق اس مساعی حسنہ کو ''جہادِ عظیم'' قرار دے رہا ہے۔ اسی باہمی تشتت و انتشار کا نتیجہ ہے کہ کھیت ویران ہو رہے ہیں۔ فصلیں تباہ ہو چکی ہیں۔ زمین کا بیشتر حصہ سکھوں کے قبضے میں چلا گیا ہے۔ بقایا رہن رکھا ہوا ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد تم دیکھو گے کہ سکھ تمام گاؤں کے مالک بن جائیں گے اور یہ ''دین دار'' مسلمان ان کے مزارعہ ہو جائیں گے۔ اس پر مولوی صاحب انہیں مبارکباد دیں گے کہ انہوں نے یہاں کی زمین بیچ کر بہشت میں مکان خرید لیا۔ اس لئے یہ سودا خسارے کا نہیں۔

تم کہو گے کہ یہ تو جہلا کی باتیں ہیں۔ لیکن تمہیں وہ خطبہء جمعہ بھی تو یاد ہو گا جو شہر کی جامع مسجد میں شعبان المعظم کے مبارک مہینے کی تقریب پر تم نے خود سنا تھا۔ جناب خطیب نے' جو خدا کے فضل سے دیوبند کے فارغ التحصیل مولوی صاحب ہیں اور جن کے پاس اپنے بیان کی تائید میں سینکڑوں حوالے بھی موجود تھے' یہی فرمایا تھا نا کہ ''شب برات'' ایک ایسی رات ہے جس میں اللہ تعالیٰ پکار پکار کہتا ہے کہ میرے بندے مجھ سے جو جی میں آئے مانگیں۔ میں ہر ایک کی طلب کو پورا کروں گا۔ لہٰذا جس شخص نے اس رات میں پچاس نفل پڑھ کر مغفرت کی دعا مانگ لی اس کی نجات کا اللہ تعالیٰ خود ذمہ ہے''۔ اس کے بعد تمہیں یاد ہو گا کہ مولوی صاحب کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور انہوں نے فرمایا تھا کہ رحمت خداوندی کے اس بحرِ ذخار میں ہر ایک کا حصہ برابر ہو گا۔ لیکن ایک سوختہ بخت اس سے محروم رہ جائے گا۔ لوگوں کی آنکھیں اوپر کو اٹھیں کہ معلوم کریں کہ وہ کون بدنصیب ہو گا جو ابرِ رحمت کی ایسی گہرباری سے فیض یاب نہ ہو سکے گا؟ مولوی صاحب نے فرمایا کہ ہاں ایک' اور صرف ایک شخص اس رحمت سے محروم رہ جائے گا۔ یعنی وہ جس کا پاجامہ اس کے ٹخنوں سے نیچے ہو گا۔ یہ تو سلیم! ''جہلا'' کی باتیں نہ تھیں اور نہ ہی مولوی صاحب یہ کچھ اپنی طرف سے بیان کر رہے تھے۔ انہیں یہ سب کچھ ''عین اسلام'' کہہ کر پڑھایا گیا تھا اور وہ اسی کو ''عین اسلام'' سمجھ کر آگے پہنچا رہے تھے! ہاں! تو میں تمہیں رضیہ بی

بی کی بپتا کی داستان سنا رہا تھا اور ایک رضیہ ہی پر کیا موقوف ہے۔ ذرا اپنے گردوپیش نظر دوڑاؤ اور دیکھو کہ اس قسم کے کتنے واقعات ہر روز تمہارے سامنے سے گذر جاتے ہیں۔ سو عزیزم! جس سوسائٹی کا نظام یہ ہو اس کے متعلق یہ سوال اٹھانا کہ ان کی نمازیں اور ان کے روزے' ان کی زکوٰۃ اور ان کے حج یعنی ان کے ''اعمال حسنہ'' وہ نتائج کیوں نہیں پیدا کرتی جو ہونے چاہئیں تھے' کچھ تعجب انگیز نہیں۔ سلیم! میں پھر کہتا ہوں اور تم اسے غور سے سمجھنے کی کوشش کرو کہ اسلام ایک نظام زندگی ہے۔ دنیا کے مذاہب جن میں انسانی تصرفات ہو چکے ہیں' مذہب کو محض انفرادی نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ لیکن اسلام ایک ایسا معاشرہ (سوسائٹی) قائم کرنا چاہتا ہے جو نوع انسان کی ربوبیت (پرورش) کا ذمہ لے۔ اس مقصد عظیم کے لئے اسلام ہر عبد مومن کو اس کارگہء حیات کی عظیم الشان مشینری کا اہم اور کارآمد پرزہ قرار دیتا ہے جس کی ہر حرکت اور جنبش کا اثر تمام مشینری پر پڑتا ہے۔ اگر ہر پرزہ اپنی اپنی جگہ صالح (محکم اور درست) ہے تو اس کا فطری نتیجہ یہ ہے کہ مشینری بھی ایک ضبط و ربط کے ماتحت چلے اور اس کا جیتا جاگتا نتیجہ گھڑی کے ڈائل کی طرح سامنے آجائے۔ لیکن اگر یہ پرزے الگ الگ پڑے رہیں تو خواہ ان میں سے ہر ایک پرزہ الماس و یاقوت کا کیوں نہ ہو' مشینری بیکار ہو جائے گی۔ آج ہماری مشینری بیکار ہو رہی ہے اور یہ نتیجہ ہے اس عملی رہبانیت کا جو مسلمانوں کے عقائد و اعمال میں سرایت کر چکی ہے۔ سلیم! غور سے قرآن کریم کا مطالعہ کرو تو تم پر یہ حقیقت بے نقاب ہو جائے گی کہ کسی قوم پر ذلت و مسکنت اور افلاس و نکبت کا چھا جانا اور پھر اس قوم کا اس حالت پر مطمئن ہو جانا' خدا کا غضب ہے' اللہ کا عذاب ہے۔ اور یہ تو تم سمجھتے ہی ہو کہ ایک مغضوب علیہ قوم محض بے روح نمازوں اور رسمی روزوں کے بل بوتے پر اپنے آپ کو منعم علیہ قرار نہیں دے سکتی۔ جب اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ ایمان اور عمل صالح سے استخلاف فی الارض کی زندگی عطا کرے گا تو ظاہر ہے کہ جس ایمان و عمل کا نتیجہ شوکت و عظمت' تمکن و استخلاف نہیں (یا وہ اس حالت کی طرف رفتہ رفتہ نہیں لئے جا رہے) وہ ایمان' ایمان اور وہ عمل' عمل صالح نہیں ہو سکتا۔ اس کے سوا تم کسی اور نتیجے تک پہنچ ہی نہیں سکتے' کیونکہ اللہ کے وعدے تو بہرحال سچے ہیں اور اس کا قانون اٹل۔ سلیم! ذرا انسانیت کے معراج کبریٰ' یعنی دور رسالتؐ کی تاریخ پر نگاہ ڈالو۔ وہ کون سا خاص پروگرام تھا جسے کانفرنسوں اور انجمنوں نے مرتب کر کے قوم کے سامنے رکھا تھا؟ یہی نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ ہی تو تھا جس نے چند سال کے عرصے میں نہ صرف اس قوم کی تمدنی' اخلاقی اور معاشرتی حالت ہی میں انقلاب پیدا کر دیا' بلکہ ان کی معاشی اور اقتصادی زندگی کی بھی کایا پلٹ دی اور کھجوروں کے ستو کھا کر گزارہ کرنے والی قوم' قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کی وارث بن گئی۔ ان ہی سیدھے سادے اعمال نے ان کے اندر وہ انقلاب پیدا کر دیا جو ایک مرد مومن کی نگاہ میں تقدیریں بدل دینے والی قوت پیدا کر دیتا ہے۔ یہ اس لئے کہ یہ تمام اعمال درحقیقت مختلف اجزاء تھے اس پروگرام کے جس کا عنوان (یعنی مقصود آخر) قرآن کے پہلے چار الفاظ پر مشتمل ہے۔ یعنی **الحمد للہ رب العلمین** ۔ وجہ ستائش اللہ کا وہ پروگرام (نظام) ہے جو دنیا میں خدا کی ربوبیت عامہ (نوع انسان کی پرورش و تربیت) کا مظہر ہے۔ لہٰذا' جو اعمال اس نظام کے قیام کا ذریعہ نہیں بنتے وہ بے روح رسموں سے زیادہ کچھ نہیں ہوتے۔

☆☆☆

سلیم! ایک مرتبہ اس حقیقت کو پھر سمجھ لو کہ میرا مقصد یہ نہیں کہ اعمال اسلامی کا ماحصل محض اسی دنیا کی فلاح و کامیابی' غلبہ و تسلط ہے۔ ہرگز نہیں۔ اگر ایسا ہو تو پھر خدا کی بادشاہت اور فرعون کی حکومت میں فرق کیا ہوا؟ میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اعمال اسلامی کا لازمی اور فطری نتیجہ اس دنیا میں حکومت و سطوت اور شوکت و عظمت کی زندگی بھی ہے اور اس کے بعد کی دنیا میں سرخروئی اور آبرومندی کی

زندگی بھی۔ اگر ہمارے اعمال اس دنیا میں شوکت وعظمت پیدا نہیں کرتے تو ہمیں سمجھ لینا چاہئے کہ ہمارے اعمال اسلام کی میزان میں پورے نہیں اترتے۔

☆☆☆

سلیم! تم پوچھتے ہو کہ بالآخر یہ عذاب کی زندگی ہم پر مسلط کیوں ہوگئی۔ حیران ہوں کہ تم اب تک اتنی سی بات بھی نہ سمجھ سکے۔ اس سے تم متفق ہوگے کہ قرآن کا مقصد لوگوں کو تمام خودساختہ سلاسل واغلال سے آزاد کرکے ان سے صرف قانون خداوندی کی اطاعت کرانا تھا۔ لیکن سلیم! تم ذرا اپنی تاریخ کے اوراق الٹ کر دیکھو کہ جس انسانی استبداد کو مٹانے کے لئے اسلام آیا تھا' کن کن شاہراہوں سے وہی استبداد امت پر مسلط کیا گیا۔ اور قیامت یہ کہ اس استبداد کا تسلط بیشتر مذہب کی آڑ میں ہوا اور ہر وہ طوق جسے اتار پھینکنے کے لئے قرآن آیا تھا اسے عین اسلامی بنا کر مسلمانوں کے گلے میں ڈال دیا گیا۔ تم سمجھتے ہو کہ خدا کی میزان میں یہ جرم کچھ ایسا کم وزنی تھا کہ یونہی معاف کر دیا جاتا؟ امم گذشتہ جن جرائم کی پاداش میں ذلت ومسکنت کے عذاب میں گرفتار ہوئی تھیں' کیا وہ اسی قسم کے جرائم نہ تھے؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ فطرت کسی کی سوتیلی ماں ہے کہ وہ ایک بچے کے ساتھ ایک قسم کا اور دوسرے کے ساتھ دوسری قسم کا سلوک کرے گی۔ اس کے قانون اٹل ہیں اور ان کا ہر ایک پر یکساں طور سے اطلاق ہوتا ہے۔ پہلوں نے یہی کچھ کیا تو ان پر عذاب آیا۔ جب مسلمانوں نے بھی وہی کچھ کیا تو ان پر عذاب کیوں نہ آتا؟ ان پر تو بلکہ اور بھی زیادہ سختی سے عذاب آنا چاہئے تھا کہ ان کے پاس قانون خداوندی کا ضابطہ اپنی اصلی اور مکمل شکل میں راہ نمائی کے لئے موجود تھا' لیکن انہوں نے اسے پس پشت ڈال دیا۔ کیا اس کی سزا اس سے کچھ مختلف ہونی چاہئے؟ انہیں وراثت کتاب کے لئے منتخب کیا گیا۔ نوع انسان کے لئے بہترین امت قرار دیا گیا۔ لیکن سب ایمان وعمل کے بدلے میں' نہ صرف نام رکھوانے کے عوض۔ اس کے باوجود تم پوچھتے ہو کہ اس قوم پر خدا کا عذاب کیوں مسلط ہوا؟ سلیم! اخوت' مساوات' حریت' وحدت انسانی' جماعتی زندگی' مرکزیت' اطاعت' فرد کا ملت کے لئے سب کچھ کرنا اور ملت کا افراد کی ربوبیت کا سامان فراہم کرنا۔ یہ تھیں نظام حقیقی کی خصوصیات۔ تم دیکھتے ہو کہ مسلمان اس منشاء الٰہی کو کب سے بھولے ہوئے ہیں۔ چھوڑ دو ابتدائی دور ہمایوں کے مختصر سے زمانے کو اور اس کے بعد قرآن کریم کی کسوٹی سے پرکھتے جاؤ امت مسلمہ کے ایک ایک عمل کو۔ حقیقت تمہارے سامنے بے نقاب ہو جائے گی۔

لیکن بایں ہمہ' عزیزم! ہمارے لئے مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔ جس قرآن کی رو سے ایک مرتبہ وہ نظام قائم ہوا تھا وہی قرآن آج بھی ہمارے پاس موجود ہے۔ اگر آج بھی مسلمان اس نکتہ کو سمجھ لیں تو پھر دیکھو ان کی نمازیں اور ان کے روزے کس طرح وہی نتائج پیدا کرتے ہیں جن کے دیکھنے کے تم اور ہر دردمند مسلمان متمنی ہے۔ **ولو ان اھل القری امنوا و اتقوا لفتحنا علیھم برکت من السماء و الارض و لکن کذبوا فاخذنھم بما کانوا یکسبون (۷/۹۶)** ''اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور قوانین خداوندی کی نگہداشت کرتے تو ہم ان پر زمین وآسمان کی برکات کے دروازے کھول دیتے۔ لیکن انہوں نے قوانین خداوندی کی صداقت کو جھٹلایا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے قانون مکافات نے انہیں ان کے اعمال کی وجہ سے پکڑ لیا۔'' اس ایمان و تقویٰ کی حقیقت تمہیں قرآن کریم سے ملے گی' بشرطیکہ تم اسے تمام غیر قرآنی تصورات کو ذہن سے نکال کر سمجھنے کی کوشش کرو۔ اس لئے کہ۔

کھویا گیا جو مطلب ہفتاد و دو ملت میں
سمجھے گا نہ تو جب تک بے رنگ نہ ہو ادراک

(اقبال)

والسلام (نومبر ۱۹۳۹ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مولانا عبدالستار خان نیازی ایم۔اے

وراثت زمین

(مطبوعہ طلوع اسلام بابت نومبر ۱۹۴۰ء)

اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰہِ یُوْرِثُھَا مَنْ یَّشَاءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ (اعراف ۴)

اس وقت جب کہ ربع مسکون میں عزت واقتدار کے حصول کے لئے اقوام عالم میں ایک زبردست کشمکش جاری ہے اور ہر قوم استیلاء وتغلب کے نشہ میں سرشار ہو کر اپنے حریفوں کے ساتھ آگ اور خون کے طوفان میں غلطاں و پیچاں ہے۔ کتاب مبین کے حامل کا فرض تھا کہ حق و باطل میں تمیز کر کے دنیا کے سامنے حقیقت ثابتہ کا اعلان کر دیتا اور دنیا پر واضح کر دیتا کہ اللہ کی زمین پر سوائے اللہ کے قانون کے کوئی قانون نہیں چل سکتا۔ یہاں وہی ضابطہ اور وہی نظام حیات کامیابی کے ساتھ چل سکتا ہے جو ازلی و ابدی ہو اور انسانی کمزوریوں نے اس میں رخنہ اندازی کر کے اس پاک و مطہر نظام کو اپنی بدعنوانیوں سے ملوث نہ کر دیا ہو۔ لیکن اس وقت کوئی آواز اس قسم کی نہیں اٹھتی۔ بحث ہے تو اس امر پر کہ فریقین میں سے کس کے دست و بازو مضبوط بنیں۔ خبط ہے تو اس کا کہ کس طریقے سے اپنی بات منوائی جائے۔ کس حیلے سے اپنے ہموطنوں کو دھوکہ دیا جائے۔ شیطانی حکومتوں کے کارندے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں کہ ان کے عقیدہ و مسلک کی جیت رہے۔ لیکن کوئی یہ نہیں سوچتا کہ آخر زمین و آسمان میں یکایک یہ فساد کیوں رونما ہو گیا۔ یہ ظلم وطغیاں کہاں سے آ گیا۔ یہ طامہ کبری کیوں قائم ہو گئی انسان کیوں اسفل السافلین ہو گیا۔ کیوں نہ احترام آدمیت کو دل میں جگہ دیتے ہوئے احسن تقویم کا مستحق بنا یہ سب اس لئے ہے۔

تاریخ امم کا یہ پیامِ ازلی ہے\
صاحب نظراں نشۂ قوت ہے خطرناک\
لادیں ہو تو ہے زہر ہلاہل سے بھی بڑھکر\
ہو دیں کی حفاظت میں تو ہر زہر کا تریاق

دین حق اور شرع مبین کے عملی پروگرام کو نااہل ہاتھوں نے دنیا تک نہ پھیلایا۔ حقائق و معارف الٰہیہ کو بے نور سینوں نے اپنے قلوب میں مستور کر دیا۔ دنیا میں انسان ہدایت الٰہی سے غفلت کر کے اس ڈھرے پر آ پہنچا کہ اب اس کی وہ تہذیب جس پر اس کو ناز تھا اس کے وہ علوم و فنون جن کو وہ ترقی ذہن اور جودت فکر کی پیداوار سمجھتا تھا اس کی موت کا سامان بنے ہوئے ہیں۔

اب وقت تھا کہ دنیا میں پیغام الٰہی کے اسرار کی نقاب کشائی کر کے دنیا کے حکماء و فلاسفہ و سیاسین کو جو قلب و نظر کی رنجوری سے العطش العطش پکار رہے ہیں اسلام کے چشمہء فیض سے سیراب کیا جاتا لیکن حیف کہ دین متین کے حامل خود مردہ دل ہو چکے ہیں۔ ان کے قلوب میں ایمان کے چشمہ کی سوتیں مدت سے بند ہو چکی ہیں۔ اب بجائے اس کے کہ اپنی غلطی کا احساس کرتے ہوئے نیک نیتی سے اس فرض سے سبکدوش ہوتے وہ احکام الٰہی کی فرضیت و قطعیت میں ریب و تشکک پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ساری خرابی اس وجہ سے لاحق ہوئی کہ دین کی واقفیت صرف ایک طبقہ سے مخصوص ہو گئی اور وہ

بھی اس وقت سے جب اسلام کے قوت وشوکت کے پیغام کو گوشۂ خمول میں رکھ دیا گیا اور نالائق ذمہ داروں کی وجہ سے قانون خداوندی میں تنسیخ و ترمیم جاری ہوئی۔ ہمارا حال وہی ہوا جو عہد کلیسا میں نصاریٰ کا ہوا انہوں نے تو علانیہ مذہب کو خیر باد کہہ دیا اور ہم قولی مسلمان رہ گئے۔ ہمارے اس خاص طبقہ نے وہ اودھم مچا رکھی ہے کہ یہود کے قسیین واحبار اور صدوقی اور فریسی بھی ان کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ جس سے ناراض ہوئے جھٹ ایک عدد فتویٰ صادر فرما دیا اور اپنے حواریوں سمیت اس ''مقہور ومردود'' کے خلاف بحث وجدال کا بازار گرم کر دیا۔ سوچئے کہ یہ خود ایک دوسرے کو کافر کہنے والے امین بالجبر اور یارسول اللہ کہنے پر کفر وایمان کا جھگڑا چکانے والے کسی تیسرے کے متعلق کیا رائے دے سکتے ہیں۔ ان کو کوئی نہ کوئی مشغلہ درکار ہے اور ہر روز نیا شکار ڈھونڈا جاتا ہے۔

دینِ کافر فکر و تدبیر جہاد
دین ملا فی سبیل اللہ فساد

حیف در حیف یہ کہ کسی خاص شخص کی مخالفت میں آ کر اس کی صحیح باتوں کی تردید شروع کر دیتے ہیں اور جب وہ مسائل قرآن حکیم سے مستنبط ہوں تو تردید کس کی ہوئی! قرآن کی۔ ان کے بغض وعناد کا ہدف کون بنا؟ کتاب الٰہی یہ سلسلہ کچھ نیا نہیں۔ جب سے اسلام میں برہمنوں کی طرح علماء کا ایک الگ فرقہ قائم ہوا ہے۔ باہمی تکفیر و تفسیق کا سلسلہ جاری ہے۔ (الاماشاء اللہ) دین سیاست سے الگ ہوا سلطنت کی طرف سے طبقہ علما کے وظائف مقرر ہو گئے۔ فکر معاش سے آزاد عملی دنیا کو دنیا داروں کے سپرد کئے ہوئے اب اگر اپنا وقت جنت کے آبخورے گننے اور حوض کوثر کا طول وعرض ناپنے میں صرف نہ فرماتے تو اور کرتے کیا۔ رفتہ رفتہ اسی کا نام دین قرار پا گیا اور انہی مسائل پر بحث وجدل خدمت اسلام تسلیم کی گئی ہر دور میں کوئی نہ کوئی مشغلہ ان حضرات کے سامنے رہا ہے۔ آج کل ان کے تیر تکفیر کا ہدف ناز بیچارے خاکساروں کا وجود اور ان کے قائد علامہ مشرقی کی ذات ہے۔ میں اس معرکۂ کافر گری میں کسی کی حمایت یا مخالفت میں اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے کہ میرے پاس اتنا فالتو وقت کہاں۔ لیکن پچھلے دنوں ایک ایسی بات سامنے آ گئی ہے جس کے پیش نظر میں سمجھتا ہوں کہ

اگر خاموش بنشینم گناہ است

مولانا محمد سجاد صاحب۔ نائب امیر شریعت۔ بہار کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ ہندو اخبارات میں آپ ان کا ذکر اکثر دیکھتے رہے ہونگے۔ ان کے اخبار ''نقیب'' میں علامہ مشرقی سے متعلق ایک ''اہم استفتا'' کے جواب میں'' ایک تفصیلی مضمون شائع ہوا ہے جس میں جیسا کہ ظاہر ہے۔ مشرقی صاحب اور تحریک خاکساران کی جی بھر کر تردید کی گئی ہے۔ اس فتویٰ میں آیت وراثت ارض کی تفسیر کے ضمن میں ایک اہم بحث کو چھیڑ دیا گیا ہے۔ یہی حصہ اس وقت میرے پیش نظر ہے۔ اتنا عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ بظاہر یہ مضمون علامہ مشرقی قائد تحریک خاکساران کی تردید میں تحریر کیا گیا ہے لیکن اس کے پردے میں وہی راگ الاپا ہے جو حامیان متحدہ قومیت کی سرشت میں داخل ہو چکا ہے یعنی ملک کی مشترکہ جدوجہد میں شریک ہو کر بڑے پتھر کو ہٹانے کی کوشش کی جائے کیونکہ بغیر بڑے پتھر کے ہٹائے ہوئے اسلامی مقاصد کی تکمیل کا رستہ صاف نہیں ہو سکتا ہے اور علمائے ملت اس بڑے پتھر کو ہٹانے کی کوشش کر رہے ہیں'' ازاں بعد نفس پرست رئیسوں کا شکوہ کرتے ہوئے انگریزی داں سیاسی لیڈروں کی جہالت کا رونا رویا ہے اور شکوہ کیا ہے کہ وہ خود ''مجاہدین'' ملت کی راہ میں روڑے اٹکا رہے ہیں اور عوام مسلمانوں کو گمراہ کر رہے ہیں''۔

مولوی صاحب نے اشارہ وکنایات میں جس عندیہ کا اظہار کیا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے متحدہ قومیت کی

سوفسطائیانہ منطق اور شرکت کانگریس کے لئے فتاویٰ کا رعب اور جبہ و دستار کی ''زندہ اسلام'' فوجوں کا سیل بے پناہ جو وردھا کے سامری کی مصدقہ دستاویزات کے ساتھ میدان وغا میں مدت سے اترا ہوا ہے۔ یہ ایسی چیزیں ہیں جو صحیح الخیال مسلمانوں کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ اس لئے ان کے متعلق کچھ لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

پہلے مولوی صاحب کے ارشادات گرامی انہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے۔

آیت وراثت ارض کی تفسیر

ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون ان فی ھذا البلاغا لقوم عابدین۔ (انبیاء پارہ)

اس آیت کے ترجمہ کے مفہوم کو عنایت اللہ مشرقی آج تک نہیں سمجھ سکے۔ اسی وجہ سے وہ خود گمراہی میں مبتلا ہیں اور دوسروں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ اس آیت سے پہلے ابتداء رکوع سے آخرت کا ذکر ہے۔ جہنم کا ذکر ہے (جو بداعمالوں کی جگہ ہے) اسی کے ساتھ یہ بھی مذکور ہے کہ نیکوکار لوگ جہنم کے عذاب سے محفوظ رہیں گے اس کے بعد مذکورۃ الصدر آیت میں یہ بشارت دی گئی ہے کہ آسمانی کتابوں میں نصیحت کے بعد یہ مذکور ہے کہ ارض جنت کے وارث ہمارے صالح بندے ہونگے بلاشبہ عبادت گذار بندوں کے لئے اس بات میں بڑی تبلیغ ہے۔ گویا سیاق آیات سے یہ امر ظاہر ہے کہ صالحین کے لئے جس زمین کی وراثت یا ملکیت کا وعدہ کیا گیا ہے وہ جنت کی زمینیں ہیں نہ یہ کہ یہ خاکی زمینیں جس پر ہم لوگ بستے ہیں۔ الغرض اس مقام میں جس ارض کی وراثت کی بشارت دی گئی ہے وہ وراثت ارض جنت کی ہے نہ یہ کہ دنیا کی زمین کی اور اسی وجہ سے جب خدا کے بندے صالح جو مستحق جنت ہوں گے تو ان کو وہاں بھی یہ کہا جائے گا کہ تم اس جنت کے وارث بنائے گئے۔ چنانچہ سورۂ اعراف رکوع ۴ (پارہ ۸) میں ہے **ونودوان تلکم الجنۃ اورثتموھا بما کنتم تعملون** ۔اور سورۂ مریم رکوع ۳ پارہ ۱۶ میں ہے **تلک الجنۃ التی نورث من عبادنا من کان تقیا** اور سورۂ زخرف رکوع ۶ پارہ ۵ ہے **وتلک الجنۃ التی اورثتموھا بما کنتم تعملون** ان آیات کا مفہوم یہ ہے کہ آخرت میں جنتیوں کو یہ بشارت دی جائے گی کہ یہی وہ موعودہ جنت ہے جس کے وارث تم بنائے گئے ان کاموں کی وجہ سے جو تم کرتے تھے (خدا کے احکام و قانون کے مطابق) یعنی تمہارے اعمال صالحہ کی وجہ سے) دوسری آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بشارت دی ہے کہ یہی وہ جنت ہے۔ جس کے وارث ہم اپنے بندوں میں سے پرہیز گار ومتقی بندوں کو بنائیں گے یعنی صالح بندوں کو اور تیسری آیت کا مفہوم بھی وہی ہے جو پہلی آیت کا۔ اسی طرح کی آیتیں کلام مجید میں اور بھی ہیں۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ صالح مسلمین حقیقتاً جنت کے وارث ہوں گے۔ اگرچہ وراثت کے معنی مالک کے بھی ہوتے ہیں۔ لیکن اگر موروثی چیز کا مالک و قابض ہونے کے مفہوم کا لحاظ کیا جائے تو اس معنی کے اعتبار سے بھی صالح مسلمانوں کے حق میں جنت موروثی چیز ہے کیونکہ سب سے پہلے اور اس دنیا کی آبادی سے پہلے جنت حضرت آدم وحوا کو عطا کی گئی اور مومنین صالحین انہیں دونوں کی اولاد ہیں' اور ان کی نسبت کو ایمان وعمل صالح نے باقی ودائم رکھا۔ اس لئے وہ جنت کے مالک ہوئے اور اس حیثیت سے اس کی ملکیت پر ارث کا اطلاق بھی صحیح ہے۔ الغرض سیاق وسباق آیات اور قرآنی قواعد سے یہ امر ظاہر ہے کہ **ان الارض یرثھا عبادی الصالحون۔** میں ارض سے مراد ارض جنت ہے۔ اسی وجہ سے محقق مفسرین نے اس مقام میں الارض سے مراد ارض الجنہ ہی لکھتے ہیں اور اگر اس آیت میں الارض سے دنیاوی زمین مراد لی جائے۔ یعنی خدا کے

بندے صالح اس زمین کے مالک ہوں گے۔ تو اس کے ساتھ یہ بھی لحاظ رکھنا ہوگا کہ یہ بشارت زبور میں تھی جو داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اور یہ بشارت حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کے متبعین کے حق میں پوری ہوئی اور جن کی حکومت کی شان وشوکت خود کلام مجید میں صراحت سے مذکور ہے۔ تو اس صورت میں خدا کا وعدہ پورا ہو چکا اور اگر اس بشارت کو عام ہر زمانہ کے لئے فرض کیا جائے تو بھی یہ بشارت عہد نبوت سے اس وقت تک بارہا پوری ہو چکی اور ہو رہی ہے۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ بہرصورت کلام مجید کا کسی جگہ یہ مفہوم نہیں ہے کہ خدا کے صالح بندے جہاں کہیں بھی وہ آباد ہوں اور بسیں' خدا کا ان سے یہ وعدہ ہے کہ ہمیشہ وہ حکمراں ہونگے' بلکہ دنیا کی حکومت کا الٹ پلٹ ہوتے رہنا' اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت کاملہ کا ایک کرشمہ ہے اور اس کے مالک علی الاطلاق ہونے کی دلیل ہے اللہ پاک دنیاوی حکومت کو آزمائش وامتحان کے لئے مختلف قوموں میں دیتا رہتا ہے **تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء** خدا کی یہ صفت کلام مجید میں مذکور ہے:۔

اس تفسیر سے وہ ذہنیت ابھر کر سطح پر آ گئی ہے جسے مخصوص مولویانہ ذہنیت کہا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ اس سے مراد صرف وہ ذہنیت ہے جو خارجی ماحول سے متاثر ہو کر اسلام کو اپنے خیالات کے قالب میں ڈھالتی ہے۔ ورنہ علمائے کرام میں وہ مجاہدین ملت بھی اکثر رہے ہیں جنہوں نے قرآنی تعلیم پر کسی انسانی خیال کو غالب نہیں آنے دیا اور اپنے اعمال کو بھی ہمیشہ قرآنی معیار پر ہی پرکھا **رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ** قرآن کریم ایک ضابطہ قوانین ہے جو انسانی زندگی کو صراط مستقیم پر چلانے کے لئے نازل کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے قانون کو نافذ کرنے کے لئے ایک جماعت کی ضرورت ہے اور اسے منوانے کے لئے قوت واقتدار کی۔ اسی کا نام استخلاف فی الارض ہے زمین کی وراثت ہے۔ دنیاوی اصطلاح میں حکومت وسلطنت ہے۔ جب تک یہ نہیں۔ قانون کا نفاذ ناممکن ہے۔ درہ خیبر سے ادھر تعزیرات ہند محض ایک کتاب کا نام ہے۔ اسی لئے کہ جہاں انگریزوں کی حکومت نہیں وہاں ان کا قانون کیسے نافذ العمل ہو سکتا ہے۔ لیکن اس علاقہ سے ایک قدم ادھر آ جائیے تو وہی کتاب ایک قوت قاہرہ کی شکل اختیار کر لیتی ہے کیونکہ انگریزی علاقہ میں اس کی حیثیت قانون کی ہے۔ جماعت مومنین کو یہ استخلاف ایمان واعمال صالحہ کے بدلے میں ملتا ہے۔ یہی اسلام ہے۔ قرآن اس پر شاہد ہے اور یہی ایمان کے ایمان محکم اور اعمال کے اعمال صالحہ ہونے کی زندہ کسوٹی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ مولوی نے جس چیز کا نام ایمان اور جن بے کیف مظاہر کا نام اعمال صالح رکھ چھوڑا ہے ان کا نتیجہ تو استخلاف فی الارض کی شکل میں مرتب نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس تضاد میں تطبیق کی کیا صورت ہے! اگر اللہ انہیں جرأت عطا فرماتا تو یہ اس امر کا اقرار کر لیتے کہ چونکہ ان کے متعین کردہ ایمان واعمال کا نتیجہ استخلاف فی الارض نہیں ہے اس لئے وہ ایمان واعمال قرآنی میزان پر درست نہیں اترتے۔ لیکن ایسا کہنے سے تو ان کی سیادت وامارت شرعیہ کی عمارت زمین پر ڈھیر ہو جاتی ہے۔ وہ ایسا کیوں کہتے۔ انہوں نے فرار کی یہ راہ نکالی کہ من الارض سے مراد جنت کی زمین ہے۔ خدا کے یہ وعدے جنت میں جا کر پورے ہونگے۔ یہاں اپنی کوتاہیوں کو چھپانے کے لئے اپنے آپ کو فریب دیا۔ دوسروں کو فریب میں مبتلا رکھا اور قرآن کریم کی روح کو مسخ کر ڈالا یہ ہے ان حضرات کا اسلام۔ یعنی آج ہندو جیسی قوم تو یہ کہ رہی ہے کہ اس ملک میں حکومت کرنا ان کا پیدائشی حق ہے اور ہمارے نیشنلسٹ علمائے کرام بھی ان کے قیام حکومت کی کوششوں میں ان کے دست راست بنے ہوئے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کے متعلق یہ فتویٰ ہے کہ انہیں حکومت وسلطنت ''جنت'' میں جا کر ملے گی۔ یہاں ان کا محکوم ومغلوب رہنا ہی عین اسلام ہے۔ کبھی انگریز کے غلام اور کبھی ہندو کے۔ جناب

''نائب امام شریعت'' صاحب کی اس تریاقی تفسیر کی ایک ایک شق کو قرآن کریم کی نصوص صریحہ سے توڑا جا سکتا ہے۔ لیکن چونکہ ان حضرات کے نزدیک براہ راست قرآنی دلائل سے وزنی وہ دلائل ہوتے ہیں جو اسلاف کی طرف سے منقول ہوتے چلے آرہے ہوں۔ اس لئے ہم ان کی تردید میں یہی طریقہ کار اختیار کرتے ہیں دیکھئے کہ وہ مفسرین حضرات جنہوں نے خارجی رجحانات سے متاثر ہوئے بغیر قرآن کریم کو سمجھا ہے وہ اس باب میں کیا ارشاد فرماتے ہیں۔

سب سے پہلے ہندوستان کے مایہ ناز عالم دین اور علماء حقہ کے سرخیل مولانا محمود الحسن رحمتہ اللہ علیہ اور مولانا شیر احمد عثمانی مدظلہ العالی کی رائے کو لیجئے۔

آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے ''اور ہم نے لکھ دیا ہے زبور میں نصیحت کے پیچھے کہ آخر زمین پر مالک ہونگے میرے نیک بندے'' حاشیہ پر فائدہ کے تحت میں فرمایا ہے۔

''کامل وفادار بندوں سے حق تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ان کو دنیا اور آخرت کی کامیابی اور اس زمین اور جنت کی زمین کا وارث بنائے گا۔ چنانچہ فرمایا ''**ان الارض للہ یورثھا من یشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین** (اعراف ع ۱۶) اور **انا لننصر رسلنا والذین امنو فی الحیواۃ الدنیا ویوم یقوم الاشھاد** (مومن ع ۱۰۶) اور **وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم** (نور ع ۱۲)

یہ ایسا حتمی اور قطعی وعدہ ہے جس کی خبر اس نے اپنی کتب شرعیہ اور کتب قدریہ میں دی۔ لوح محفوظ اور ام الکتاب میں یہ وعدہ درج کیا اور انبیاء علیہم السلام کی زبانی بار بار اعلان کرایا۔ داؤد علیہ السلام کی کتاب زبور (۳۷۔۲۹) میں ہے کہ صادق زمین کے وارث ہونگے۔ چنانچہ اس امت میں کامل وفادار اور صادق بندے مدت دراز تک زمین کے وارث رہے۔ مشرق و مغرب میں انہوں نے آسمانی بادشاہت قائم کی۔ عدل و انصاف کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ دین حق کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بجا دیا اور نبی کریم صلعم کی یہ پیش گوئی ان کے ہاتھوں پر پوری ہوئی **ان اللہ تعالی زوی الارض فرایت مشارقھا ومغاربھا وان امتی سیبلغ ملکھا مازوی لی منھا** اور اس قسم کی دوسری پیشین گوئی امام مہدی اور حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانہ میں پوری ہو کر رہے گی''۔ قبل اس کے مندرجہ بالا اقتباس اور مولانا بہاری کے ادعاء کے متعلق فیصلہ کن رائے کا اظہار کیا جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس ضمن میں مزید شہادتیں منقولات سے پیش کی جائیں تاکہ مولانا موصوف اپنے زہد و ورع کی ترنگ میں آکر اپنے اجتہاد کو اجماع امت کا درجہ نہ دے بیٹھیں۔

(۲)　تفسیر حقانی میں مذکور ہے۔

ہم پند و نصیحت کے بعد زبور میں لکھ چکے ہیں کہ بے شک زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہی ہونگے

(ف) ولقد کتبنا فی الزبور ...... الخ سعید بن جبیر و مجاھد کلبی و مقاتل و ابن زید کہتے ہیں زبور سے مراد وہ کتابیں جو دنیا میں انبیاء پر نازل ہوئیں اور ذکر سے مراد لوح محفوظ کہ جہاں سے نقل ہو کر یہ کتابیں آئیں۔ یعنی دونوں جگہ ہم نے لکھ دیا کہ زمین کے نیک بندے وارث ہونگے ...... ارض میں مفسرین کے چند اقوال ہیں۔ ا۔ جنت کی زمین۔ ۲۔ دنیا کی زمین یعنی ملک کا مالک ہم نیک بندوں کو کریں گے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے۔ **وعد اللہ الذین امنو ...... لیستخلفنھم فی الارض** اس میں اسلام کے غلبہ اور ظہور کی طرف ایماء ہے اور مخالفوں کے لئے تحدید کہ تمہارے سامنے یہ نہ مٹے گا اور

بعض کہتے ہیں کہ ارض سے ارض مقدسہ بیت المقدس اور ملک شام مراد ہے سو اس نے اپنے وعدہ کے موافق ایسا ہی کیا کہ مسلمانوں کے قبضہ میں کر دیا اور اب تک ہے اور قیصر و کسریٰ کی سلطنت بھی ان کے قبضہ میں آئی۔ قریش مکہ جو اپنی سرداری اور جماعت پر نازاں تھے ان کو یہ سنایا گیا ۳۷ زبور کے نویں اور گیارہویں درس میں بھی یہی مضمون ہے اور بہت سے مقامات عہد جدید و عہد قدیم سے بھی ثابت ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ اس میں عبادت کرنے والوں۔ خدا پرستوں کے لئے مژدہ رسائی ہے کہ خدا پرستوں پر دنیا میں بھی فضل ہوتا ہے اور آخر کار ملکوں کے مالک بنائے جاتے ہیں اور مصائب سے بھی محفوظ رہتے ہیں۔ آخرت میں تو پھر سب ہی کچھ ہے۔ (صفحہ ۴۷ ج ۵ تفسیر حقانی پارہ ۱۷ ع ۵)

(۳) جامع البیان میں مذکور ہے۔

ولقد کتبنا فی الزبور ...... الخ۔

الزبور ما انزل من الکتب والذکر اللوح المحفوظ۔ ای کتبنا بعد ما کتبنا فی اللوح او ہو کتاب دائود والذکر التوراۃ ان الارض ارض الجنۃ او ارض الکفار او بیت المقدس۔ یرثہا عبادی الصلحون۔ المومنون مطلقا او امۃ محمد علیہ السلام۔ (ص ۲۸۹ جامع البیان) (فائدہ) فلما ذکر ان وعدہ حق لا یتخلف الموعودہ عنہ بما ہو دال علی ذلک فقال ولقد کتبنا فی الزبور۔ ص ۲۸۹ جامع البیان پ ۱۷۔

(۴) تفسیر بیضاوی میں مذکور ہے۔

ولقد کتبنا فی الزبور ...... الذکر ...... ان الارض یرثہا عبادی الصلحون ...... الا رحمۃ للعلمین ...... الخ فی الزبور ای فی کتاب دائودؑ ای التوراۃ وقیل المراد بالزبور جنس الکتاب المنزلۃ وابالذکر اللوح المحفوظ۔ ان الارض۔ ای ارض الجنۃ اوالارض المقدسہ۔ عبادی الصالحون یعنے عامۃ المومنین او الذین کانو یستضعفون مشارق الارض و مغاربھا او امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ الا رحمۃ للعلمین لان مابعثت بہ سبب لاسعادھم و موجب اصلاح معاشھم و معادھم وقیل کونہ رحمۃ للکفار منھم بہ من الخسف والمسخ وعذاب الاستیصال ...... فان تولوا ...... (بیضاوی سورۃ انبیا)

اس کے بعد مذکور ہے کہ بعثت نبوی کا مقصود اصلی اور غایۃ توحید الٰہی کا قیام ہے۔

(۵) تفسیر روح البیان میں آیتہ زیر بحث کے متعلق مذکور ہے۔

(ان الارض یرثھا عبادی الصلحون) ای عامۃ المومنین بعد اجلاع الکفار۔ کما قال ”وعد اللہ الذین امنو امنکم وعملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ...... الخ (۲۴/۵۵) وھذا وعد منہ باظھار الدین واعزازا اھلہ ۱۲ (روح البیان الفاضل الکامل الشیخ اسمٰعیل حقی آفندی جلد ثانی ص ۶۸۸ سورۃ انبیاء)

(۶) تفسیر المنار بھی مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ کے قول کی تائید موجود ہے۔ بلکہ مفتی محمد عبدہ مرحوم نے اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر سورۃ فاتحہ کی تفسیر کرتے ہوئے بانگ دھل قرآن حکیم کو دین و دنیا کی فلاح کی ضامن کتاب تصور کیا ہے اور فرمایا ہے ”قرآن حکیم دنیا میں آیا اور ایک اقل قلیل عرصہ

میں دنیا کے اندر زبردست انقلاب پیدا کر دیا۔ ایسا انقلاب کہ آج تک دنیا کی کوئی قوم اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔ قرآن حکیم آخری آسمانی کتاب ہے اور اس نے وہ کچھ کر دکھایا جو آخری کتاب کے شایان شان ہے۔ اس کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک آیت ایک عظیم الشان انقلاب کی بشارت دیتا ہے۔

ایک داعی حق صراط مستقیم پر آ کھڑا ہوا اور با آواز بلند پکارا یا قومنا اجیبوا داعی اللہ۔ اور دنیا کے سامنے۔ اکسیر اعظم کیمیائے سعادت کا بے مثل نسخہ پیش کیا یعنی بارگاہ خداوندی سے قرآن حکیم کو لا کر پیش کیا اور اعلان کیا کہ جس قوم کے پاس یہ موجود ہے وہ خزائن ارضی و سماوی کی مالک۔ فلاح دارین کی حامل۔ سعادت مبدا و معاد کی وارث اور عظمت و اقبال کی علمبردار ہوگی اور جس نے اس سے اعراض کیا وہ ان تمام برکتوں سے محروم ہوگی۔ **من اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا ونحشرہ یوم القیامۃ اعمی۔** (طٰہٰ ع ۷)۔ جس نے ہمارے ذکر سے اعراض کیا یقیناً اس کی معیشت ضیق میں ہو گی اور قیامت کے دن بھی ہم اس کو اندھا اٹھائیں گے۔

دین اور دنیا کی تمام سعادتیں اور عزتیں اسی کے لئے ہیں جس نے قرآن حکیم کو اپنے لئے صراط مستقیم بنایا دوسرے کے لئے نہ عزت ہے نہ عظمت **وللہ العزۃ ولرسولہ وللمومنین** (عزت صرف اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے لئے ہے) غرض بارگاہ خداوندی سے قرآن حکیم نازل ہوا اور ہادی برحق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حقائق و معارف کے پردے اٹھا کر نوع بشری کے لئے سعادت دارین کے خزانے کھول دیئے۔ قرآن حکیم نے انسانیت کو جو ترقیاں بخشیں اس سے دنیا حیرت کر رہی ہے۔ جہاں وہ صدیوں میں نہیں پہنچ سکتی تھی۔ قرآن حکیم نے دنوں میں اس سے کہیں بلند اور ارفع عرش ارتقاء پر لیجا بٹھایا۔ بادیہ نشیں، صحرا نورد شتربان قوم کو خزائن قیصر و کسریٰ کی کنجیاں دے دیں اور پورے تیس سال نہ گزرے تھے کہ درس گاہ نبوت کے تعلیم یافتہ کتاب و سنت کی بدولت حدود ہند و چین، حدود افریقہ و یورپ اور حدود ایران و روم تک جا پہنچے اور بحر و بر پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ وہ قوم جس کی سیادت و حکمرانی بکریوں کے ریوڑ، اونٹوں اور چراگاہوں میں ناکام تھی۔ قرآن حکیم کو ہاتھ میں لے کر نکلی اور کرۂ ارضی پر چھا گئی۔ کتاب اللہ نے اس کو جہانگیر۔ جہاں دار، جہاں بان و جہاں آراء بنا دیا۔

نیز ضلالت کے متعلق بحث کرتے ہوئے ان مسلمانوں کو بھی ضالین میں شمار کیا ہے جو بظاہر شعائر اسلام پر پابند ہیں لیکن الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا۔ الخ کے معیار پر پورے نہیں اترتے۔

(۷) تفسیر الجواہر از علامہ طنطاوی میں بھی آیہء زیر بحث میں ہے کہ ارض سے مراد دنیا کی زمین ہے اور اس کا وارث اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو کرے گا کیونکہ وہی دنیا میں اس بین الاقوامی انقلابی جماعت کے افراد ہیں جن کا وظیفہ حیات اللہ کے قانون کی سربلندی اور خلافت الٰہی کی تاسیس ہے۔ سب سے آخر قومیت پرست علماء کے سرخیل جناب ابوالکلام آزاد صاحب کی تفسیر بھی ملاحظہ فرمائیں کہ ان حضرات کے لئے ان کی رائے سے بڑھ کر اور کس کی رائے سند ہو سکتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ آیت (۱۰۵) سے آخر تک سورت کے مواعظ کا خاتمہ ہے فرمایا:۔ ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصلحون" ہم نے زبور میں اپنے اس مقررہ قانون کا اعلان کر دیا تھا کہ زمین کے وارث خدا کے صالح بندے ہوتے ہیں۔ یعنی جماعتوں اور قوموں کے لئے' یہاں یہ قانون الٰہی کام کر رہا ہے۔ کہ انہی لوگوں کے حصہ میں ملک کی فرمانروائی آتی ہے جو صالح ہوتے ہیں "صلح" کے معنی سنورنے سنوارنے کے ہیں۔ "فد" کے معنی بگڑنے بگاڑنے

کے۔ ''صالح'' انسان وہ ہے جو اپنے کو سنوار لیتا ہے اور دوسروں کو سنوارنے کی استعداد پیدا کر لیتا ہے اور یہی حقیقت نیک عملی کی ہے ''مفسد وہ ہے جو بگاڑ میں پڑتا اور بگاڑنے والا ہوتا ہے'' اور یہی حقیقت بدعملی کی ہے پس قانون یہ ہوا کہ زمین کی وراثت سنوارنے والوں کی وراثت میں آتی ہے ان کی وراثت میں نہیں جو اپنے اعتقاد و عمل میں بگڑ جاتے ہیں اور سنوارنے کی جگہ بگاڑنے والے ہوتے ہیں۔

زبور کا جو مجموعہ آج موجود ہے اس کے بے شمار ترانوں میں یہ حقیقت صاف صاف بول رہی ہے۔ مثلاً زبور ۳۷ میں ہے ''بدعمل کاٹ ڈالے جائیں گے مگر وہ جو خداوند کی بات کی راہ دیکھتے ہیں۔ زمین کو میراث میں لیں گے۔ قریب ہے کہ شریر نابود ہو جائے۔ تو اس کا ٹھکانا ڈھونڈے اور نہ پائے پردہ جو حلیم ہیں زمین کے وارث ہونگے اور ہر طرح کی راحتوں سے خوش دل ہونگے۔ (۹/۳۷)

تورات' انجیل اور قرآن' تینوں نے زمین کی ''وراثت'' کی ترکیب جا بجا استعمال کی ہے اور غور کرو یہ ترکیب صورت حال کی کتنی سچی اور قطعی تعبیر ہے؟ دنیا کے ہر گوشہ میں ہم دیکھتے ہیں'' ایک طرح کی بدلی ہوئی میراث کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے یعنی ایک فرد اور ایک گروہ طاقت و اقتدار حاصل کرتا ہے۔ پھر وہ چلا جاتا ہے اور دوسرا فرد اور گروہ اس کی ساری چیزوں کا وارث ہو جاتا ہے حکومتیں کیا ہیں؟ محض ایک ورثہ ہیں جو ایک گروہ سے نکلتا اور دوسرے کے حصہ میں آ جاتا ہے۔ اگر زمین کا کوئی ایک قطعہ سامنے رکھ کر اور جس وقت سے اس کی تاریخ روشنی میں آتی ہے اس کے حالات کا کھوج لگاؤ۔ تو تم دیکھو گے اس کی پوری تاریخ کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ارث و میراث کی ایک مسلسل داستان ہے۔ ایک قوم قابض ہوئی۔ پھر مٹ گئی دوسری اس کی وارث ہو گئی۔ پھر اس کے لئے بھی مٹنا ہوا اور تیسرے وارث کے لئے جگہ خالی ہو گئی و ھلم جرا۔

پس قرآن کہتا ہے۔ یہاں ارث و میراث کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اب سوچنا یہ چاہئے کہ جو ورثہ چھوڑنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ کیوں ہوتے ہیں؟ اور جو وارث ہوتے ہیں کیوں وراثت کے حقدار ہو جاتے ہیں؟ فرمایا۔ اس لئے' کہ یہاں خدا کا ایک اٹل قانون کام کر رہا ہے۔ ''ان الارض یرثھا عبادی الصلحون'' وراثت ارضی کی شرط اصلاح و صلاحیت ہے۔ جو صالح نہ رہے ان سے نکل جائے گی۔ جو صالح ہوں گے ان کے ورثہ میں آئے گی۔ ولن تجد لسنة الله تبدیلا۔

اس کے بعد فرمایا۔ ان فی ھذا البلاغا لقوم عابدین۔ اس بات میں عبادت گذاران حق کے لئے ایک بڑا پیام حقیقت مضمر ہے یعنی اس قانون الٰہی کے تذکرہ میں ان کے لئے وراثت ارضی کا پیام ہے کہ وعد الله الذین امنو منکم و عملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا۔ ۵۵/۲۴ جس طرح ان سے پہلے خدا کے صالح بندوں کی وراثت میں زمین آ چکی ہے۔ اسی طرح عنقریب ان کی وراثت میں بھی آنے والی ہے اور پھر یہ انقلاب کیوں ہونے والا ہے! اس لئے کہ وما ارسلنک الا رحمة للعلمین پیغمبر اسلام کا ظہور کرہ ارض کے لئے رحمت الٰہی ...... کا ظہور ہے پس ضروری ہے کہ انسانی شقاوت کا خاتمہ ہو ضروری ہے کہ اس کی جگہ رحمت الٰہی کا سایہ کرۂ ارضی پر چھا جائے۔

اس کے بعد واضح کر دیا کہ پیغمبر اسلام کی دعوت کا ماحصل کیا ہے۔ انما الھکم الہ واحد فھل انتھم مسلمون؟

باقی رہی یہ بات کہ یہ انقلاب حال کب ظہور میں

آنے والا ہے؟ توان ادری اقریب ام بعید ماتوعدون۔ میں جانتا ہوں کہ یقیناً ایسا ہونے والا ہے۔ لیکن ابھی اس میں کچھ دیر ہے یا بالکل سامنے آ گیا؟ یہ میں نہیں کہہ سکتا کیونکہ اس بارہ میں بھی اللہ تعالیٰ کے مقررہ قوانین ہیں اور وہ کام کر رہے ہیں وان ادری لعلہ فتنۃ لکم او متاع الی حین۔ کون جانتا ہے ہو سکتا ہے کہ جو تاخیر ہو رہی ہے وہ اس لئے ہو کہ تمہیں ابھی کچھ دنوں اور آزمائش میں ڈالنا ہے یا اس لئے کہ تمہارے تمتع حیات کے کچھ دن ابھی باقی ہیں۔

یہ سورت کا کتنا اہم مقام ہے؟ سورت کے تمام بیانات کس طرح وقت کی سب سے بڑی موعظت پر ختم ہو رہے ہیں؟ اور پھر کیسی فیصلہ کن بات ہے۔ جس میں مومنین صالحین کے لئے پیام اقبال اور منکرین مفسدین کے لئے پیام ادبار ہے؟ لیکن تفسیریں اٹھا کر پڑھو۔ ہمارے مفسر اس تیزی سے نکل گئے ہیں۔ گویا رکنے اور نظر تدبر سے کام لینے کی اس میں کوئی بات ہی نہیں ہے (ترجمان القرآن جلد دوم ۴۹۴۔۴۹۵)۔

ان زبردست شہادتوں کی موجودگی میں مولانا بہاری صاحب کم از کم اس امر کی تو جسارت نہیں کر سکتے کہ اپنے فہم قرآنی کو علماء اسلام کی جانب منسوب کر سکیں۔ یا قرآن حکیم کی دیگر نصوص صریحہ کا جو کہ اس وعدہ کی تائید میں موجود ہیں انکار کر سکیں۔ قرآن حکیم کی تفسیر اپنی مرضی کے مطابق کرنے کا ان کو اختیار ہے کیونکہ غلام آباد ہندوستان میں کتاب الٰہی سے بڑھ کر اور کوئی مظلوم نہیں ہے ۔

ہے مملکت ہند میں اک طرفہ تماشا
اسلام ہے محکوم مسلمان ہے آزاد

حضرت مولانا محمود الحسن مرحوم کی شہادت بھی آپ نے پڑھی ہے۔ میں اس کے متعلق ذرا تفصیل سے بحث کروں گا کیونکہ ان کا زمانہ جناب حضرت مولانا بہاری کے زمانہ سے زیادہ قریب ہے۔ نیز حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی مدظلہ العالی بھی اس شہادت کے دوسرے شاہد عادل ہیں۔ حضرت مولانا محمود الحسن مرحوم کے بیسیوں شاگرد اس وقت ہندوستان میں موجود ہیں ان کا فرض تھا کہ اس نئی تفسیر کے متعلق مولانا بہاری سے باز پرس کرتے۔ لیکن افسوس کہ ''علماء کرام'' علامہ مشرقی کی مخالفت میں اندھے ہو کر قرآن کریم کی معنوی تحریف کو روا رکھ رہے ہیں۔

مولانا بہاری ارض سے مراد ارض جنت لیتے ہیں اور مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ مسلمان کی دنیا و دین میں قطعاً فرق نہیں کرتے بلکہ مومن کو دنیا و دین کی عزت اور سعادت دارین کا سزاوار بناتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''کامل وفادار بندوں سے حق تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ان کو دنیا و آخرت کی کامیابی اور اس زمین اور جنت کی' زمین کا وارث بنائے گا'' نیز مولانا بہاری کا قول ہے کہ ''اگر آیت زیر بحث میں الارض سے دنیاوی زمین مراد لی جائے یعنی خدا کے بندے صالح اس زمین کے مالک ہوں گے تو اس کے ساتھ یہ بھی لحاظ رکھنا ہوگا کہ یہ بشارت زبور میں تھی جو داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اور یہ بشارت حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کے متبعین کے حق میں پوری ہوئی اور جن کی حکومت کی شان و شوکت خود کلام مجید میں صراحت سے مذکور ہے۔ تو اس صورت میں خدا کا وعدہ پورا ہو چکا''۔ اس کے متعلق جناب مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت ملاحظہ ہو...... آیت استخلاف کو درج کرنے کے بعد فرماتے ہیں یہ ایسا حتمی اور قطعی وعدہ ہے جس کی خبر اس نے اپنی کتب شرعیہ اور کتب قدریہ میں دی لوح محفوظ اور ام الکتب میں یہ وعدہ درج کیا اور انبیاء علیہم السلام کی زبانی بار بار اعلان کرایا۔ داؤد علیہ السلام کی کتاب زبور ۳۷۔۲۹ میں ہے کہ صادق زمین کے وارث ہونگے''۔ مولانا بہاری کا تیسرا دعویٰ ''کہ کلام مجید کا کسی جگہ یہ مفہوم نہیں ہے کہ خدا کے صالح بندے جہاں کہیں بھی وہ آباد ہوں اور بسیں خدا کا ان سے یہ وعدہ ہے کہ وہ ہمیشہ حکمراں ہونگے'' اس کے متعلق مولانا محمود

الحسن رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کامل وفادار بندوں سے حق تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ان کو دنیا و آخرت کی کامیابی اور اس زمین اور جنت کی زمین کا وارث بنائے گا۔ اسکے بعد اپنے دعویٰ کو مضبوط بنانے کے لئے آیہ استخلاف کو لکھا ہے۔ آخر میں یہاں تک لکھا ہے کہ ''چنانچہ اس امت میں کامل وفادار اور صادق بندے۔ مدت دراز تک زمین کے وارث رہے شرق و غرب میں انہوں نے آسمانی بادشاہت قائم کی عدل و انصاف کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ دین حق کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بجا دیا اور نبی کریم کی پیش گوئی ان کے ہاتھوں پوری ہوئی۔

ان اللہ تعالیٰ زوی الارض...... الخ

حضرت مولانا بہاری ایک اور انکشاف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''بلکہ دنیا کی حکومت کا الٹ پلٹ ہوتے رہنا اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت کاملہ کا ایک کرشمہ ہے اور اس کے مالک علی الاطلاق ہونے کی دلیل ہے...... الخ کون احمق اس کی مخالفت کرتا ہے ہمیں تو اس کے ساتھ سو فی صدی اتفاق ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ حکومت کا الٹ پلٹ نہ کرے تو نعوذ باللہ اس کا وعدہ استخلاف غلط ثابت ہوتا ہے۔ جو کامل وفادار بندوں سے ہے اور جو کامل وفاداری اور جاں سپاری کا دم نہیں بھرتا۔ جو قل ان صلاتی ونسکی ومحیایی ومماتی للہ رب العالمین۔ الخ کے مطابق اپنے اعمال کو نہیں ڈھالتا تو خدائے قدوس ان قوموں کو تہس نہس کر دیتا ہے ان کا نام و نشان مٹا دیتا ہے۔ سنت الٰہی کا راز اسی میں مضمر ہے کہ ظالم اور فاسق قوموں سے سلطنت چھین لے'' ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم...... الخ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے اسی قانون تبدل و تحول کا نتیجہ ہے کہ جن کو اس نے اپنی کتاب مبین کا وارث اور نوع انسانی کا امام بنایا تھا وہ اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے امام الناس ہونے کی بجائے ایک لنگ پوش مہاتما کے چرنوں میں جا گرے۔ ان کا کعبہ مقصود بیت اللہ سے ہٹ کر انند بھون میں گیا اعتصام بحبل اللہ کی بجائے تشتت و افتراق کے بت کے پجاری بن گئے۔ دین اسلام کے ظہور و غلبہ کو محل اعتراض ٹھہرا کر تمام ادیان کے برحق ہونے کا فتویٰ صادر کر دیا۔ عباد الرحمن اور حزب اللہ ہونے کی بجائے اولیاء الکفار بن گئے۔ خالص لوجہ اللہ جہاد کرنے کی بجائے متحدہ قومیت کا راگ الاپنا شروع کر دیا۔ مظلوم مسجد کو شہید ہوتا دیکھتے رہے جب کہا گیا کہ ملت کی مشترکہ مصیبت میں تعاون کیوں نہیں کرتے تو جواب دیا کہ ہمارا علم بغاوت تیسری طاقت کے خلاف ہے۔ کعبہ بھی گر جائے تو ہمیں پروا نہیں۔ ہم اس راہ کے سب سے بڑے پتھر کو ہٹا رہے ہیں۔ کیا یہ اللہ کے اسی قانون کا نتیجہ ہے کہ وہ مومن جس کے متعلق کہا جاتا ہے۔

مومنے بالائے ہر بالا ترے
غیرت او برنتا مد ہمسرے

آج واردھا کے سامری کی اندرونی روشنی کے آگے ہتھیار ڈال چکا ہے۔ شیخ الحدیث متحدہ قومیت کا ڈھنڈورچی بن کر اسلام کو ملک و وطن کی تنگناؤں میں محصور کر رہا ہے۔ العجب ثم العجب۔

شیخ ملت با حدیث دلنشیں
بر مراد اوکند تجدید دیں

اس سے بڑھ کر اور کونسا انقلاب درکار ہے۔ کونسا الٹ پلٹ پسند ہے۔ قرآن حکیم میں جہاں خدا کی اس صفت کا ذکر ہے وہاں غزوہ احد کا واقعہ بیان کیا ہے۔ یہ وہ واقعہ ہے جو اس امر کی بین دلیل ہے کہ اگر اطاعت امیر میں ذرا بھر بھی فرق آ جائے تو جنگ کا پانسہ الٹ جاتا ہے حضورؐ نے عبداللہ بن جبیر کو کچھ آدمیوں کے ساتھ پہاڑی کی دوسری طرف متعین کر دیا تھا اور حکم دیا تھا کہ یہاں پر جمے رہو یہاں تک کہ اگر چیل اور کوے۔ ہمارا گوشت ہی کیوں نہ اچک لیں۔ لیکن مال غنیمت کے لالچ میں آ کر پہاڑی کے درے کو اس جماعت نے چھوڑ دیا۔ موقع پاتے ہی غنیم کی فوج سے تیر اندازوں کا ایک دستہ خالد اور عبداللہ بن قمیہ کی قیادت میں آ کر مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچاتا ہے۔ یہاں تک کہ سرور کونینؐ بھی زخمی

ہو جاتے ہیں۔ اس واقعے کا ذکر کرتے ہوئے خدائے قدوس مسلمانوں کو ان کی غلطی پر متنبہ کرتا ہے اور جب وہ صبر و استقلال میں آ کر عزم و ثبات سے جم جاتے ہیں تو ان کی تسکین خاطر کے لئے فرماتا ہے۔ **ان یمسسکم القرح فقد مس القوم قرح مثلہ و تلک الایام نداولھا بین الناس۔** (آل عمران) اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا کرشمہ دیکھنا مقصود ہے تو انتزاع خلافت عباسیہ کو یاد کرو۔ خلیفہ اسلام امانت الٰہی کو نہ اٹھا سکا۔ احکام الٰہی کو اپنی حرص و ہوا کے تابع کیا۔ خدائے قدوس نے اس کو ہلاکو خاں کے ہاتھوں ہلاک کیا۔ اسپین کے مسلمانوں کا واقعہ کیا کچھ کم عبرت ناک ہے۔ جناب مولانا! آپ نے تو خود ہی تسلیم کر لیا ہے کہ ''ہندوستان کی حکومت مسلمان حکمرانوں کی نفس پرستیوں اور غفلتوں اور بے دینیوں کی وجہ سے گر گئی اور اس حکومت کے زائل ہونے میں سب سے بڑا ہاتھ رافضیوں کا تھا۔ یہ سچ ہے لیکن رافضی کون ہیں وہ بھی تو ملت اسلامیہ کے ۷۲ ٹولوں میں سے ایک ہیں۔

خلافت عباسیہ بھی ابن علقمی کی شرارت سے جو کہ رافضی تھے تباہ ہوئی لیکن اس موقع پر احناف و شوافع نے کیا کیا۔ کیا انہوں نے ملت اسلامیہ کی قصر رفیع اور قبہ اسلام بغداد کی عظمت و شوکت کو نسیاً منسیاً کرنے کے لیے دشمن کے آگے دروازے نہیں کھول دیئے۔ خود ہندوستان میں کیا ہوا سلطنت مغلیہ کے انتزاع کے وقت آپ کے علماء کیا کر رہے تھے وہی جو علمائے عیسائیت سلطان محمد فاتح'' کی فاتحانہ یلغار کے موقع پر کر رہے تھے۔ مولانا آپ خود تسلیم کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فاسق اور بے حکموں کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ (۱) **فھل یھلک الا القوم الفسقون (۴۶/۳۵)** (۲) **وھل نھلک الا القوم الظالمون (۶/۴۷)۔** (۳) **وما کان ربک لیھلک القرے بظلم واھلھا مصلحون (۱۱/۱۱۷)**

یہی تو ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ استخلاف فی الارض، مومنین صالحین کے لیے ہے۔ ''**وھل نجازی الا الکفور**'' فاسق اور منافق جو بظاہر شعائر اسلام کی پیروی کرتے ہیں۔ لیکن اسلام ان کے حلق سے نیچے نہیں اترتا۔ اس وعدے سے مستثنیٰ ہیں۔ ان ہی کے متعلق تو قرآن حکیم پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔ **ومن الناس من یقول امنا باللہ وبالیوم الاخر وما ھم بمومنین** (بقرہ ع۱) کیا اب بھی آپ دین و دنیا کے تعلق کو نہیں سمجھے۔ آپ کی یہی مرضی ہے کہ اس دنیا میں مشرکین کے سامنے ذلت و مسکنت کے مارے دم نہ مار سکیں اور قیامت کے نسیہء پر اس نقد متاع کو بھی لٹا دیں۔ عجمی منطق مومن کے شایان شان نہیں۔ یہ تو مومن کے دشمنوں کے ارادے ہیں ؎

خیر اسی میں ہے قیامت تک رہے مومن غلام
چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہان بے ثبات

ہمارے لیے دنیا میں بھی حکومت لکھی ہے اور قیامت میں بھی حکومت اور اسی لیے مسلمانوں کی دلی آرزوؤں کا اظہار ان مبارک الفاظ میں خود خدائے بزرگ و برتر نے کیا ہے ''**ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الاخرۃ حسنۃ** الخ آپ جس مومن کے ساتھ حکومت و غلبہ کی شرط نہیں لگاتے وہ قرآن کی اس تعریف سے خارج ہے جس سے اس کو ''**یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر**'' کی امت میں شمار کیا گیا ہے۔ امر و نہی کا نفاذ حاکم ہی کیا کرتے ہیں۔ یہ ایک اہم بحث ہے جس کے متعلق عام طور پر غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے اس کا ذکر کبھی پھر کیا جائے گا۔ آیت زیر بحث کے متعلق مولانا کا اول دعویٰ یہ ہے کہ یہاں پر الارض سے مراد ارض جنت ہے۔ اگرچہ بظاہر اس کا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے اور نہ ہی سیاق و سباق سے یہ تفسیر نکلتی ہے جس کا سہارا حضرت مولانا نے لیا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ سباق کلام میں قیامت کا ذکر ہے۔ لیکن جب وہ مضمون ختم ہوتا ہے تو نیا مضمون اس آیت سے شروع ہو جاتا ہے اور جو آخر سورہ تک چلا جاتا ہے اور اس مضمون میں پہلی بحث کا کوئی ذکر نہیں ہے

بلکہ حضور کو رحمت للعلمین کہہ کر اس دعوے کی مزید توثیق کر دی گئی ہے۔ بقول مولانا اگر اس آیت کو ماقبل سے مربوط کیا جائے تو معنی زیادہ واضح ہو جاتے ہیں۔ کیوں کہ اس دنیا کو مزرعہ آخرت کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا امنا وھم لا یفتنون ٥ ولقد فتنا الذین من قبلھم فلیعلمن اللہ الذین صدقوا ولیعلمن الکذبین (۲۹/۳-۱) (۲) ام حسبتم ان تدخلوا الجنۃ ولما یعلم اللہ الذین جاھدوا منکم ویعلم الصابرین (۳/۱۴۲)**۔ بہر نوع اگر اس آیت کو ماقبل سے مربوط کیا جائے تو ارض سے مراد ارض جنت کے نہیں ہو جاتے۔ قرآن حکیم کی جن آیات کا حوالہ دیا گیا ہے وہ یہ ہرگز ثابت نہیں کرتیں کہ ارض سے مراد ارض جنت ہے بلکہ ان کا مضمون بذاتہٖ مستقل ہے۔ ان سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ ارض جنت کے وارث بھی وہی لوگ ہوں گے جو خدا کے احکام و قانون کے مطابق اعمال صالحہ کرتے ہیں سورہ اعراف ع ۴ کے حوالے سے یہی ثابت ہوتا ہے **(ونودوان تلکم الجنۃ اورثتموھا بما کنتم تعملون)** کہ ارض جنت کی وراثت کے اہل اس وقت ہو گے جب تم عمل صالحہ کرو گے سورۂ مریم ع ۳ کے حوالہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ارض جنت کے وارث اللہ تعالیٰ کے نیکوکار بندے ہوں گے **(من کان تقیا)** اس میں کس کو کلام ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیکوکار و صالح بندے جنت کے وارث ہوں گے۔ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ اللہ کے نیکوکار بندے اس دنیا میں کافروں کی زمین کے وارث ہوں گے اور قیامت میں جنت کی زمین کے۔

آگے چل کر جناب مولانا وارث کے معنی مالک کے تسلیم کرتے ہیں لیکن پھر وراثت کے معنی آبا و اجداد کی جائداد کے مالک بننے کے کرتے ہیں۔ قرآن حکیم نے کہیں بھی اس قبیل کی تشریح نہیں کی بلکہ بار بار اعلان کیا ہے کہ اعمال صالحہ کی وراثت تم کو ملے گی۔ لیکن مولانا خواہ مخواہ حضرت آدم علیہ السلام کے قصے کو لے بیٹھے ہیں کہ ''اس دنیا کی آبادی سے پہلے جنت حضرت آدم و حوا کو عطا کی گئی اور مومنین صالحین انہیں دونوں کی اولاد ہیں۔ اور ان کی نسبت کو ایمان و عمل صالح نے باقی و دائم رکھا۔ اس لئے وہ جنت کے مالک ہوئے اور اس جنت سے اس کی ملکیت پر ارث کا اطلاق بھی صحیح'' یہاں پر ارث کی بحث پیدا کرنا بالکل فضول توجیہہ ہے جب بار بار آپ اعمال صالحہ کی قید سے جنت کی وراثت کا حصول مقید ٹھہراتے ہیں تو آدم و حوا کا ذکر کیا معنی رکھتا ہے یا تو آپ وراثت کے معنی نہیں سمجھے یا محض آدم و حوا کی اولاد ہونے کو جنت کے استحقاق کے لئے کافی تصور کرتے ہیں۔ یہ سب قرآن کے منافی ہے۔ **لیس للانسان الا ماسعی وان سعیہ سوف یری'' (۲) لھا ما کسبت وعلیھا ما اکتسبت (۳) انہ لیس من اھلک انہ عمل غیر صالح (۴) لا ینال عھدی الظالمین** ان نصوص صریحہ کی موجودگی میں وراثت کا ذکر چھیڑنا عبث ہے نیز جناب مولانا حضرت آدم کو جس جنت کا مکین مان رہے ہیں وہ بھی مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ اس کا ذکر یہاں غیر متعلق تھا۔ تاہم حضرت مولانا کے تبحر علمی اور نظر اجتہاد میں احتیاط پیدا کرنے کے لئے اس کا ذکر لاطائل نہ ہوگا۔

حضرت آدم کی جنت مسکونہ میں علمائے امت کے چار اقوال ہیں۔ (۱) قیامت کی جنت مراد ہے اور یہ جنت جنت خلد تھی جو عقائد و اعمال صالحہ کا نتیجہ ہے۔ یہ اہل سنت والجماعت کی طرف منسوب ہے (۲) جنت اخروی یا جنت سماوی جو آسمان پر موجود ہے اور سدرۃ المنتہیٰ کے قریب ہے وہاں نتائج اعمال صالحہ کی بدولت نہیں جانا پڑتا۔ (۳) یہ جنت ارض تھی۔ یہ حضرت امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے وہ فرماتے ہیں کہ وہ جنت دنیا پر موجود تھا۔ جیسے کہ دوسرے باغات ہیں۔ (۴) توقف۔ کہ اس جنت کی تعین ہی نہیں کرنی چاہئے۔ امام

رازیؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔

یہ ساری بحث امام ابوحنیفہؒ کے حوالہ کے متعلق حافظ ابن قیمؒ نے حاوی الارواح میں لکھی ہے جس میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے فقیہانہ دلائل بیان کیے ہیں اور اس بات کا حوالہ کہ جنت آدم کے متعلق چار اقوال ہیں۔ تفسیر کبیر میں موجود ہے۔

اگر بقول مولانا یہاں پر ارض سے مراد ارض جنت ہی لی جائے۔ تو بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ارض جنت اخروی ارض جنت ہے۔ قرآن حکیم میں لفظ جنت معرفہ و نکرہ ہو کر دنیوی باغوں کے حق میں کئی بار استعمال ہوا ہے۔ (۱) **انا بلونهم کما بلونا اصحاب الجنة** (ن۔ع) (۲) **وفی الارض قطع متجورات و جنت من اعناب وزرع و نخیل۔** (۱۳/۴) (۳) **وجنت من اعناب والزیتون الرمان** (مومنون)

ان مثالوں کے علاوہ جن سے جنات کا زمینی باغات ہونا اظہر من الشمس ہے قرآن میں ایک اور قطع کی مثالیں موجود ہیں۔ جن سے جنت کا مطلب بادشاہت زمین ثابت ہوتا ہے مثلاً سورۂ شعراء میں فرعون کو بادشاہت مصر سے محروم کرنے کے متعلق ہے **فاخرجنهم من جنت وعیون وکنوز و مقام کریم کذالک واورثنها بنی اسرائیل** (۵۷/۲۹۔۵۹) یعنی پھر ہم نے فرعون کی قوم کو باغوں اور چشموں اور خزانوں اور عزت کی جگہ سے نکال باہر کیا ان کی عظمت یوں خاک میں ملا دی اور بالآخر بنی اسرائیل کو ان نعمت ہائے الٰہی کا وارث بنایا سورۂ دخان میں پھر انہی فرعونیوں کی بابت ہے۔ ''**کم ترکوا من جنت وعیون وزروع و مقام کریم و نعمة کانوا فیها فکهین' کذالک واورثنها قوما اخرین** (۴۴/۲۵۔۲۸)

یعنی ان لوگوں کو کتنے ہی عالیشان باغات اور نہریں اور کھیتیاں اور عمدہ مقامات چھوڑنے پڑے اور کیسی کیسی آرام وہ نعمتوں کو خیرباد کہنا پڑا جن میں مزے اڑایا کرتے تھے۔ ہاں نااہلوں کی سزا یہی ہوتی تھی اور ہم نے یہ بدلہ لیا کہ اس تمام سازو سامان کا دوسروں کو وارث بنا دیا سورۂ شعراء میں موت و شکست کو دعوت دینے والی قوم ثمود کے بارے میں ہے **اتترکون فی ماههنا امنین فی جنت وعیون** (۲۶/۱۴۸)

''تو کیا تم لوگ اس زعم باطل میں ہو کہ ان باغات اور نہروں میں بے روک ٹوک اور امن و امان سے چھوڑ دیے جاؤ گے'' اسی سورت میں قوم عاد کی طرف خطاب ہے۔

واتقوا الذی امدکم بما تعملون امدکم بانعام وبنین و جنت و عیون (۲۶/۱۳۲۔۱۳۴) اور لوگو! اس احکم الحاکمین کی سزا سے بچو اور اس سے خوف کھاؤ جس نے تمہاری مدد ان چیزوں سے کی جو تم کو خوب معلوم ہیں۔ تم کو مال، مویشی اور اولاد کی کثرت سے مدد دی۔ باغوں اور نہروں کا تم کو حکمران کیا۔ وغیرہ وغیرہ''

جنت کے متعلق یہ بحث یوں ہی ضمناً آ گئی ہے۔ جس کی طرف سرسری اشارات کر دیئے گئے ہیں۔ ورنہ یہ ایک مستقل موضوع ہے اور شرح و تفصیل کا محتاج۔

تعجب ہے کہ ان حیرت انگیز شہادتوں کے باوجود شارحین قرآن اور عام مسلمانوں نے جنت کے معنی صرف آخرت کی جنت کے لے لیے ہیں اور بادشاہت زمین کا نصب العین جو اسلام اس دنیا میں لایا آنکھوں سے یکسر اوجھل ہو گیا ہے۔ مگر مسلمانوں کی ذہنیت بدل جانے سے کلام الٰہی کے معانی نہیں بدل سکتے۔ اور جب مومن کی دنیا اور دین دونوں درست ہیں اور دونوں میں باعزت زندگی بسر کرنے کے لیے ایک ہی قانون ہے تو اس بات کی تفریق کہ اس دنیا میں مومن کے لیے لازم نہیں ہے کہ وہ حاکم رہے بے معنی ہے۔ مومن دنیا میں خدا کے قانون کا حامل اور اس حکومت کو قائم کرنے کا ذمہ دار ہے۔ اس دنیا میں کئی نظام چل رہے ہیں۔ جناب رسالت

ماب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے دنیا میں آخری کتاب نازل ہوئی۔ جس نے تمام گذشتہ انبیاء کی لائی ہوئی صداقتوں کی تصدیق کی اور جہاں پر امم سابقہ نے تحریف کی تھی اس کا اعلان کر دیا اور قیامت تک کے لیے انسان کی ضروریات کا لحاظ رکھتے ہوئے ایک ابدی نظام حیات پیش کیا۔ جس کا شوشہ بھر بھی اپنی جگہ سے نہیں ہٹا اور جس کی حفاظت کا ذمہ خود رب العالمین نے لے لیا۔ (**نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون** وہ نظام حیات حاملین قرآن نے دنیا میں پیش کرنا ہے۔ کیوں کہ ان کی صفت قرآن میں بھی بیان کی گئی ہے "**کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنھون عن المنکر......** الخ تم وہ بہترین امت ہو جسے نوع انسانی کے لیے نکال دیا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو بدی سے روکتے ہو اور خدا پر ایمان رکھتے ہو" و **کذالک جعلنا کم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا** الخ "اور اس طرح سے ہم نے تم کو ایک بیچ کی امت بنایا ہے تاکہ تم نوع انسانی پر نگراں رہو اور رسول تم پر نگران ہو"۔

(۳) **ھو سمکم المسلمین من قبل و فی ھذا لیکون الرسول شھیدا علیکم و تکونوا شھداء علی الناس فاقیموا لصلوۃ واتوالزکوۃ واعتصمو باللہ** (اج ع ۱۰) "اسی نے تمہارا نام پہلے بھی مسلم رکھا تھا اور اس کتاب میں بھی تاکہ رسول تم پر نگراں ہو اور تم لوگوں پر نگراں ہو پس نماز قائم کرو اور زکوۃ دو اور اللہ کے رستے پر جمے رہو۔"

یہاں پر آپ کہہ دیں گے کہ ہم نماز تو پڑھتے ہیں اور ہم میں سے اکا دکا زکوۃ بھی دیتا ہے لیکن سب سے بڑی شرط "**اعتصام بحبل اللہ**" کی مفقود ہے۔ نیز نماز قائم کرنا معمولی بات نہیں ہے۔ آپ میں کون ایسا ہے جو ہر ایک مسلمان کو نماز پر قائم رکھے اور ایتاء الزکوۃ کے لیے سر اور دھڑ کی بازی لگا دے حضرت صدیق اکبرؓ نے تو منکرین ادائیگی زکوۃ کو قتل کیا تھا۔ آپ کس کو قتل کرتے ہیں۔ آپ کس کے جھنڈے کی سربلندی چاہتے ہیں۔

مسلمان کے لیے اس دنیا میں خدائی فوجدار بن کر رہنا فرض ہے۔ اگر وہ کسی وقت ایسا نہیں ہے تو اسے ایسا بننے کے لیے جہاد کرنا ہوگا اور اس سعی و جہد میں فاتح و منصور واپس لوٹنا ہوگا یا وہیں جان دے دینا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا صریح حکم موجود ہے "**لا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین**"۔ یہاں پر کون اعلون سے تعلق رکھتا ہے۔ حکم کس کا چل رہا ہے۔ تم کس قانون پر چل رہے ہو **ومن لم یحکم بما انزل اللہ فائولئک ھم الکفرون**" بھی تمہارے سامنے ہے یا اوجھل ہو گیا۔ آنحضرتؐ کا ارشاد گرامی ہے۔

"**والذی نفسی بیدہ لتامرن بالمعروف ولتنھن عن المنکر ولتاخذن علی ید المسئی ولتطرن علی الحق اطراء ولیضربن اللہ قلوب بعضکم علی بعض اولیلعنکم کما لعنھم او کما قال رسول اللہ** (برواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجہ باختلاف قلیل) "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم پر لازم ہے کہ نیکی کا حکم دو بدی سے روکو اور بدکار کا ہاتھ پکڑ لو اور اسے حق کی طرف موڑ دو۔ وگرنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی برائیاں ایک دوسرے پر مسلط کر دے گا یا تم پر لعنت کرے گا جیسے پہلی فاسق قوموں پر کی۔" ان آیات و اخبار کی روشنی میں مومن کون ہو سکتا ہے۔ اگر اس وقت ہم پر ذلت و مسکنت مسلط ہو چکی ہے تو کس لیے اس لیے کہ ہماری جماعتی زندگی غیر اسلامی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہماری ذہنیت غیر اسلامی ہے آج جو مسلمان اللہ کے قانون وراثت ارض کی یاددہانی کرانے کے لیے کھڑا ہوتا ہے وہ ہمارے حاملین دین متین کے نزدیک سب سے بڑا "کافر" قرار دیا جاتا ہے۔ سوچئے کہ آپ کہاں ہیں اور قرآن کہاں ہے!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زیڈ نصیر

نئی بت پرستی

کیا ہم نے اور ترقی یافتہ دنیا نے بت پرستی چھوڑ دی ہے؟

قرآنی اور نفسیاتی جائزہ

بظاہر یوں لگتا ہے کہ ہمارا بت پرستی سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ ہم تو کسی بت کی پوجا نہیں کرتے۔ بت پرستی کا تعلق یا تو قدیم قبائل سے تھا یا پھر ہندو بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ ہم تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ رہی مغرب کی ترقی یافتہ قومیں تو انہوں نے چرچ اور کلیسا ہی سے چھٹکارا حاصل کر لیا ہے وہ بھلا کیسے بت پرست ہو سکتی ہیں۔ مغربی ماہر نفسیات ڈاکٹر ڈے نش (۱) اور فرام (۲) کے مطابق مغرب نے تو یہ اعلان کر دیا کہ 'اب خدا مر چکا ہے' یعنی (God is Dead) اور فرائڈ نے تو گزشتہ صدی کے شروع میں ہی کہہ دیا کہ خدا کو ماننا نفسیاتی بیماریوں کا سبب بنتا ہے۔ وغیرہ (۳) + (۴)۔ اس طرح بات کہاں تک پہنچ جاتی ہے اور اس کے بعد تو بت پرستی کا کوئی امکان نہیں رہتا۔ لیکن یہ جان کر آپ حیران ہوں گے کہ انسان اتنی ترقی کرنے کے باوجود ابھی تک سرتاپا بت پرستی میں ڈوبا ہوا ہے۔ وہ کیسے؟ اس کا جائزہ لینے کے لئے ہمیں ذرا گہرائی میں جانا ہوگا تاکہ حقیقت سے آگاہ ہو سکیں اور پھر ہم خود بھی ان پوشیدہ بتوں کو توڑ سکیں گے اور انسانیت کو بھی ان کی پرستش سے بچا سکیں گے تاکہ انسان فلاح کی وادیوں میں زندگی بسر کر سکے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانیت کو بت پرستی سے روکا تو اس میں اس ذات باری کا کوئی فائدہ نہ تھا اور نہ ہی اسے کسی قسم کی پرستش یا پوجا کی حاجت تھی۔ وہ تو ہر طرح سے بے نیاز ہے۔ اس میں تو محض انسانوں کا فائدہ تھا۔ قرآنی احکامات انسانیت ہی کی فلاح کی خاطر ہیں۔ یہ نہ صرف ان امراض کی تشخیص کرتے ہیں جن میں افراد اور قومیں مبتلا ہیں بلکہ ان کا وہ علاج پیش کرتے ہیں جسے دنیا کے تمام لوگ مل کر بھی تلاش نہ کر سکتے تھے۔ بقول گوئٹے (Goethe) ''اسلام کی تعلیمات کبھی ناکام نہیں ہو سکتی ہیں۔ ہم اور ہمارے تمام نظام ہائے زندگی اور کوئی بھی انسان اس سے آگے نہیں جا سکتے ہیں'' (۵)

یہ نکتہ نہایت اہم ہے کہ قرآن کریم نے خارجی کائنات اور انسان کی داخلی زندگی کے بارے میں جو کچھ کہا ہے سائنس کے انکشافات اس کی تائید کرتے ہیں اور جیسے جیسے علم انسانی آگے بڑھے گا اسے قرآنی حقائق کی گہرائی کا اندازہ ہوتا چلا جائے گا اور اسے ماننا پڑے گا کہ قرآن کریم حق ہے۔ بت پرستی کے معاملہ میں بھی ہم یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے سب سے پہلے قرآن کریم کی روشنی میں یہ دیکھیں کہ حقیقت کیا ہے اور پھر اس کے بعد سائنس کے انکشافات۔

قرآن حکیم نے بت پرستی کو شرک قرار دیا ہے اور اس سے شدت سے روکا ہے۔ چند ایک آیات پیش ہیں اگرچہ قرآن حکیم نے اس موضوع کو نہایت تفصیل سے بیان کرتے ہوئے اس کے ظاہر و پوشیدہ پہلوؤں کو بہت خوبصورتی سے واضح کیا ہے۔ ارشاد ہے ''اور اللہ کے ساتھ دوسرا الٰہ مت پکارو ورنہ تم ان میں سے ہو جاؤ گے جو زندگی کی خوشگواریوں

سے محروم ہو جاتے ہیں (۲۶/۲۱۳)۔ قرآن مشرکین عرب کے دیوی دیوتا لات و عزیٰ وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے ان کی پرستش سے روکتا ہے اور بتاتا ہے کہ ان کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ چند نام ہیں جو تم نے رکھ لئے ہیں (۲۲-۱۹/۵۳) اور پھر قوم نوح کے دیوی اور دیوتا کے متعلق بھی بتایا (۲۲/۷۱) مزید یہ کہا کہ ''جنہیں تم شریک خدائی کرتے ہو انہیں آواز دے کر دیکھو کیا وہ اس کا جواب دے سکتے ہیں؟ یہ مٹی کی مورتیاں کیا قوت رکھتی ہیں'' (۱۹۵-۱۹۴/۷) قرآن کریم ان معاملات کو شرک کہتا ہے اور شرک کو ظلم عظیم قرار دیتا ہے (۱۳/۳۱)۔ ظلم کے معانی ہیں جس چیز کو جس مقام پر ہونا چاہئے وہ وہاں نہ ہو (۶)+(۷)۔ یہ بت پرستی کی ظاہری اشکال ہیں جن سے اللہ روکتا ہے۔ لیکن وہ صرف ان ظاہری صورتوں تک محدود نہیں رہتا بلکہ شرک کی پوشیدہ اور غیر محسوس یعنی نفسیاتی وجوہات کو بھی سامنے لاتے ہوئے ان سے بچنے کی تلقین کرتا ہے۔

قرآن کریم میں آیا ہے کہ انسان شرک کا ارتکاب جہالت کی وجہ سے کرتا ہے۔ علم حق و باطل میں تمیز کرتا ہے لیکن جہالت تباہی اور ظلم کی طرف لے جاتی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی انسان یا قوم علم کی جگہ جہالت کو ترجیح دے تو شرک پیدا ہوتا ہے۔ قرآن کریم کے مطابق شرک میں انسان اپنی ذات کے ساتھ کذب اور ظلم کرتا ہے (۲۴-۲۳/۶) (۲/۵۴) (۶/۲۴) اسی کو ذات کے ساتھ جاہلانہ سلوک کہا جائے گا۔ اس طرح وہ اپنے مقام، اپنی قوتوں اور اپنی وسعتوں سے بے خبر رہتا ہے۔ اس لاعلمی کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ اس کے متعلق (C.D.Broad) لکھتے ہیں کہ ''حیات اور نفس انسانی کے متعلق جہالت سے انسان و معاشرہ تباہ ہو جاتے ہیں'' (۸) انسانی ذات اور زندگی کے متعلق صحیح علم و آگاہی نہ ہونے سے کیا ہوتا ہے؟ انسان وہ کچھ نہیں بن سکتا جو اسے بننا چاہئے اور وہ جانوری سطح سے بھی نیچے گر جاتا ہے یا اس سے بھی کم تر سطح پر۔ اسی کو تذلیل انسانیت کہا جاتا ہے۔ انہیں وجوہات کی بنا پر قرآن کریم نے بجا کہا ہے کہ ''شرک وجہ تذلیل انسانیت ہے'' (۳۲/۱۸) انسان کی انسانی صلاحیتوں کی تباہی دراصل اس کی حقیقی تباہی ہے۔ اسی لئے قرآن میں زور دے کر کہا گیا ہے کہ شرک مت کرو ورنہ تباہ ہو جاؤ گے (۸۸/۲۸) (۲۶/۲۱۳) اللہ تعالیٰ کو نہ ماننے سے اور دوسرے معبودوں کی پرستش سے اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگڑتا البتہ انسان خود تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ اس لئے قران کریم بت پرستی کی تمام اقسام سے منع کرتا ہے۔ اس میں خود حضرت انسان کا فائدہ ہے۔

سوال یہ ہے کہ یہ باطل معبود مکھی تک پیدا نہیں کر سکتے تو پھر لوگ کیونکر ان کے سامنے جھکتے ہیں، ان کے سامنے گڑگڑاتے ہیں، ان سے مرادیں مانگتے ہیں؟ قرآن حکیم اس سنگین مسئلے کے پوشیدہ اور غیر محسوس اسباب کی نشاندہی کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ بت پرستی اور شرک کی مختلف اقسام کی اصل وجہ انسان کی نفسیات میں پوشیدہ ہے۔ شرک کرنے والا انسان اور قوم دراصل اندر سے تبدیل ہو چکی ہوتی ہے۔ شرک دراصل نفسیاتی و جذباتی تبدیلی کا معاملہ ہے۔ قرآن کریم نے اس کی تشریح بھی بہت تفصیل سے کی ہے۔ خاص طور پر قوم بنی اسرائیل کے سلسلے میں بتایا ہے کہ دراصل گوسالہ پرستی کا جذبہ بنی اسرائیل کے دل میں سما گیا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ بت پرستی کرتے تھے۔ ایک جگہ بتایا ہے کہ ''شیطان کا تسلط مشرکین پر ہو جاتا ہے'' (۱۰۰-۹۹/۱۶) شیطان دراصل انسان کے اپنے ہی تباہ کن جذبات کا نام ہے (۶)+(۷)۔ مزید یہ کہ شیطان انسان کے اپنے ہی انانیت کش رجحانات و میلانات کا ذکر ہے جو وحی کے خلاف چلنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر فرام اسے (Necrophlic Passions) کی اصطلاح سے واضح کرتے ہیں (۱۴)۔ اور ڈاکٹر لی شان (Leshan) نے انہیں (Negative Drives) یا (Pathological Drives) کہا ہے (۱۵)، ڈاکٹر برنڈن (Dr. Branden) انہیں (Inappropriate or Disturbed Emotions) کہتے ہیں (۱۶) ڈاکٹر مے سلو (Dr. Maslow) ان رجحانات کو بڑی وسیع اصطلاح سے سمجھاتے ہیں، وہ انہیں (Metapathologies) کہہ کر پکارتے ہیں (۱۷)۔ تحقیق

جاری ہے اور بہت مفید حقائق انسانیت کے سامنے آ رہے ہیں۔ یہ تو ابتدائے تحقیق وعلم ہے' آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔ تو ہم بتا رہے تھے کہ اللہ علیم وبصیر کا ارشاد ہے کہ اپنے جذبات کو معبود بنا لینا شرک ہے۔ (۴۳/۲۵) (۲۴-۲۳/۴۵) یہ ہے اصل حقیقت شرک یا بت پرستی کی جس کی وجہ سے انسان شرک کرتا ہے۔ اس میں انسان کا دل پاپی بن جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں شرک ''من کے پاپی'' بن جانے کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے یوں بیان کیا ہے:۔

''کیا تو نے اس کی حالت پر غور کیا جس نے اپنی خواہشات کو ہی اپنا الٰہ بنا لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قانون خداوندی نے اسے باوجود علم کے گمراہ کر دیا اور اس کے کانوں اور قلب پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا'' (۲۳/۴۵)۔

عظیم مفکر قرآن اور عالم علامہ پرویز اس کی بہت خوبصورت تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''قرآن کا ارشاد ہے کہ ایک سے زیادہ الٰہ مقرر کر لینے سے فساد رونما ہو جاتا ہے۔ غور کیجئے کہ آج یہ جو ہر طرف فساد ہی فساد رونما ہو رہا ہے تو کیا اس کی یہی وجہ نہیں کہ ہر انسانی قلب صنم کدہ بن رہا ہے؟ ہر گروہ اور ہر قوم اپنی اپنی خواہشات کو خدا بنائے بیٹھی ہے اور اس ''خدائے خواہشات وجذبات'' کے تغلب وتسلط میں جائز وناجائز کی تمیز باقی نہیں رہتی' جائز (بقول لینن ومیکیاؤلی) وہ ہے جس سے مقصد حاصل ہو جائے اور ناجائز وہ جو حصول مقاصد میں مخل ہو۔ یہ ہیں وہ بت جنہوں نے دنیا کو جہنم بنا رکھا ہے۔ ان بتوں کی تعمیر کسی سنگ تراش کے ہاں نہیں ہوتی بلکہ یہ ذہن انسانی کے کارخانے میں ڈھلتے ہیں۔ ان کا مسکن کوئی مندر نہیں' قلب انسانی ہے۔ مال اور اولاد کا بت۔ عزت وجاہ کا بت' دولت وثروت کا بت' حکومت وسلطنت کا بت۔ ملک ومنصب کا بت اور خدا جانے کون کون سے لات ومنات اور کون کون سے ہبل وعزیٰ انسانی دماغ میں ہر آن تراشے جاتے ہیں۔ یہ شرک کی وہ خوفناک وبھیانک گھاٹی ہے جہاں سے پھسل کر انسان سیدھا ہلاکت وبربادیوں کے ہولناک جہنم میں گر جاتا ہے'' (۹) مفکر قرآن نفسیاتی جائزہ لیتے ہوئے مزید تشریح کرتے ہیں کہ:۔ ''آج نوع انسانی پر خدا کی زمین اس درجہ تنگ ہونے کی یہی وجہ ہے کہ علم' جذبات کے تابع چل رہا ہے۔ انسان نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنا رکھا ہے'' (۹) وہ مزید مثال دے کر شرک کی تباہی کے متعلق بتاتے ہیں کہ یورپ کی جنگ عظیم کی وجہ یہی بت پرستی تھی۔ اندازہ لگائیے کہ بت پرستی یا شرک کتنا خطرناک اور تباہ کن ہے؟ اب آئیے قرآنی جائزے کے بعد ہم بت پرستی کا جائزہ جدید سائنس کی روشنی میں لیتے ہیں۔

جدید سائنس اور بت پرستی

ہمارا دور اس لحاظ سے خوش نصیب ہے کہ سائنس کی تحقیقات نے اب جا کر اس راز کو پا لیا ہے اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن حق ہے۔ نفسیاتی ماہرین کی تحقیق کے مطابق (Idolatry) یعنی بت پرستی (اور شرک کی ساری نئی اور پرانی اقسام) دراصل کسی خاص خدا یا معبودوں کو چھوڑ کر دوسرے نئے خدا کی پرستش یا عبادت کا نام نہیں بلکہ یہ انسان کا گہرا نفسیاتی رویہ ہے۔ سوچنے سمجھنے اور محسوس کرنے کا' عمل اور ردعمل کرنے کا۔ وغیرہ۔ اس رویے سے انسان ہر زندہ شے یا تحرک کو مردہ یا غیر متحرک مادی حالت یا پیکر میں ڈھال دیتا ہے (۱۰+۱۱)۔ ڈاکٹر فرام اپنی مدت العمر کی تحقیق کے بعد یہ بتاتے ہیں کہ ''بت پرستی دراصل نفسیاتی رویہ ہے' جس سے انسان اپنی ذات کی نفی کرتا ہے۔ یعنی اس سے انکار کرتا ہے کہ وہ زندہ انسان ہے (اپنی ساری انسانی خصوصیات سے انکار اور نفی)۔ فرام کہتے ہیں: ''بت پرستی میں انسان آزاد نہیں رہتا' انسان اپنے آپ کو خود اپنا قیدی بنا لیتا ہے اور آزادی سے خود انکار کر دیتا ہے مزید یہ کہ ان خداؤں کی پرستش میں انسان خود اندر سے یعنی نفسیاتی طور پر مر جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر (Idolatry) دراصل انسان کی موت ہے (۱۰)۔

عالم نفسیات ڈاکٹر فرام مزید تفصیل سے تشریح کرتے ہیں کہ آج کل کا انسان خصوصاً مغرب کا انسان تو اب

بھی دل کی گہرائی سے بت پرست ہی ہے۔ اس نے نئی قسم کی بت پرستی شروع کر دی ہے۔ نئی قسم کے بت اور معبود تراش لئے ہیں کیونکہ اب بھی مغرب کے انسان میں اندرونی طور پر کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی ہے۔ بت پرستی جس جذبہ کے تحت چلتی ہے وہ نفسیاتی جذبہ اب بھی ویسے ہی برقرار ہے۔ صرف پرستش کے ظاہری انداز بدل گئے ہیں۔ مغرب کے لوگ اب جن خداؤں کی پرستش کرتے ہیں وہ یہ ہیں:۔ انسان اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی چیزوں کے سامنے جھک گیا ہے۔ (اسے سجدہ کرتا ہے)' اپنے تخلیق کئے ہوئے ''کام'' اور معاشرتی ماحول کے سامنے جھک گیا ہے' مادی چیزیں اور اردگرد کا ماحول و حالات اس کے ماسٹر ہیں جو اسے کنٹرول کرتے ہیں اور اس کے آگے وہ بے بس و بے کار و لاچار ہے۔ یہ مادی اشیاء کا ڈھیر اور حالات و ماحول مغرب کے انسان سے اونچے ہو گئے ہیں اور اس کے خلاف بھی۔ اور وہ اپنا احساس بحیثیت ایک تخلیقی اور زندہ انسان کے کھو چکا ہے۔ یہ انسان اپنے آپ سے بالکل بے گانہ ہے' اپنے اردگرد کے سارے انسانوں سے لاتعلق اور اپنے کئے ہوئے کام سے بے گانہ ہو گیا ہے'' (۱۰)۔ یہ نتائج ہیں اس نئی بت پرستی کے۔ یہ نفسیاتی ماہر مزید وضاحت کرتے ہیں کہ ''مغرب کے انسان نے بظاہر یہ سمجھ لیا ہے اور اپنے آپ کو دھوکا دیا ہے کہ وہ عہد قدیم کے لوگوں کی طرح بت پرستی نہیں کرتا ہے اور آزاد ہے۔ لیکن یہ سراسر غلط فہمی اور خود فریبی ہے دراصل یہ لوگ ان ہی قدیم لوگوں کی طرح پرستش کرتے ہیں صرف نام بدل گئے ہیں'' (۱۰+۱۱)۔

مزید تفصیل جو نفسیاتی ماہر فرام نے بتائی ہے وہ ہمارے لئے باعث عبرت ہے اور بڑی نصیحت آموز ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''آج کل کے معبود (بت) جو ہم نے خود بنائے ہیں اور جنہیں ہم دل سے پوجتے ہیں۔ وہ منظم قسم کی لالچ اور ہوس سے پیدا کردہ خدا مندرجہ ذیل ہیں: قوت و طاقت' ناقابل تسکین خواہشات نفسانی' غذا' گھمنڈ' شراب و نشہ' پیداوار (Production)' بزنس' (Consumption)' فوجی قوت و ریاست کی لالچ وغیرہ وغیرہ''۔

ایسا لگتا ہے کہ یہ نفسیات دان قرآن کریم کی آیات کا ترجمہ و تشریح کرتا چلا جا رہا ہے یقیناً آج سے چودہ سو سال پہلے یہ سب کچھ بتا دینا اللہ ہی کے بس کی بات تھی کسی انسان کی نہیں سکتی۔ درج ذیل آیات کو دیکھئے کس طرح موجودہ علم نفس نے ان کی تائید کی ہے۔

''مشرکین حیاتِ دنیا کے سخت حریص ہوتے ہیں'' (۲/۹۶)

''اپنے جذبات کو معبود بنا لینا شرک ہے'' (۴۵/۲۳-۲۴)(۲۵/۴۳)

''مشرکین کبھی آزاد نہیں ہو سکتے تھے جب تک ان کی طرف خدا کا رسول نہیں آ جاتا'' (۹۸/۱)

''رزق کے سرچشموں کو ہر ایک کے لئے کھلا رہنے دو۔ خدا کے ساتھ ہمسر کھڑے نہ کرو'' (۲/۲۲)

''بت پرستی کے مزید نتائج ڈاکٹر فرام بتاتے ہیں کہ ان بت پرستیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ موجودہ انسانیت کے ہاتھوں سے قابل فہم و منظم اقدار کا پیمانہ نکل گیا اور صرف بت پرستانہ اقدار رہ گئیں' اور انسان ہراساں و پریشان و مایوس و اداس ہو گیا ہے' زندگی اس کے لئے بے معنی' بے کار و بے مزہ ہو گئی ہے' زندگی سے اسے کوئی دلچسپی نہیں رہی اور اس لئے وہ اپنی اور دوسروں کی زندگی تباہ کرنے کے درپے ہے۔

کیا قرآن کریم کی آیات میں یہی کچھ نہیں کہا گیا؟ مثلاً:

''شرک کرو گے تو مایوس۔ افسردہ خاطر۔ بے یار و مددگار رہ جاؤ گے'' (۱۷/۲۲)

''شرک مت کرو ورنہ تباہ ہو جاؤ گے'' (۲۶/۲۱۳)

''مشرکین کے لئے تباہی ہے'' (۴۱/۷) اور مشرکین و مشرکات خدا کے عذاب میں مبتلا ہونگے'' (۳۳/۷۳)

''شرک سے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں'' (۶/۸۹)

اپنی کتاب "Psychoanalysis and Religion" میں ڈاکٹر فرام نے بڑی تفصیل و

تحقیق سے ان محرکات کا جائزہ لیا ہے۔ بڑی قابل قدر کتاب ہے، وہاں ایک جگہ فرام تجزیہ کر کے بتاتے ہیں کہ (Modern Idolatry) نئی بت پرستی میں انسان پرستش کر رہا ہے قوت و طاقت کی، ترقی، کامیابی اور (Authority of Market) یعنی بزنس وغیرہ کی لیکن اگر گہرائی میں دیکھیں تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ وہی قدیم بت پرستانہ مذہبی رویے ہیں (P-29)۔ اور پھر اس کتاب میں تفصیل سے بتایا ہے کہ اس کا نتیجہ نفسیاتی امراض یعنی (Neurosis) نکلتا ہے۔ شرک کی تباہ کاریوں کا مکمل جائزہ لینے کے لئے تو ایک کتاب بھی شاید ناکافی ہو۔ اس سلسلے میں یہ بتانا مقصود تھا کہ دیکھئے انسان اپنے صدیوں کے تجربے اور تحقیق کے بعد کہاں پہنچا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ سائنس قرآن کریم کی آیات تک پہنچ رہی ہے۔ کیا مغرب کی یہ تحقیقات ان آیات کی سچائی کا ثبوت نہیں ہیں؟ ان عملی تحقیقات سے ہمیں گہرا سبق حاصل کرنا چاہئے، کیونکہ ہمارا حال تو مغرب سے بھی برا ہے۔ مغرب میں ہر پل تحقیق کا دروازہ کھلا ہے لیکن ہم نے تو تقریباً گزشتہ ۷۰۰ سال سے سوچنا، سمجھنا اور تحقیق کرنا بند کر دیا ہے (۵)۔

مسلمان اس وقت جن مختلف اقسام کے شرک میں مبتلا ہیں اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں اور اس مشرکانہ ذہنیت و اعمال کا جو نتیجہ ہے وہ بھی ہمارے اور ساری دنیا کے سامنے ہے۔

قرآن کریم میں ہے کہ:۔

''اکثر لوگ ایمان لے آنے کے باوجود مشرک کے مشرک ہی رہتے ہیں۔ یعنی رسمی ایمان لاتے ہیں اور عقائد و رسوم مشرکانہ اختیار کئے رکھتے ہیں (جیسا کہ ہم مسلمانوں کی اکثریت کا عالم ہے)'' (۱۲/۱۰۶)۔(۷)

شرک سے ہمارا اور دنیا کا حال قرآن کریم کے الفاظ میں یوں ہو گیا ہے:۔ ''شرک کرنے والا اپنے مقام بلند سے کس طرح گر جاتا ہے اس کی مثال یوں سمجھئے جیسے وہ آسمان کی بلندیوں سے زمین کی پستیوں پر آ کر گرے۔ یا جیسے کسی نوزائیدہ پرندے کے بچے کو چیل جھپٹ کر لے جائے یا جیسے ہوا کا تیز جھکڑ پرکاہ کو اڑائے پھرے اور کسی دور دراز گوشے میں پھینک دے'' (۲۲/۳۱)

مغرب کے لئے اور ہمارے لئے بت پرستی اور اس سے پیدا شدہ جہنم سے نکلنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے قرآن کریم کے خدا پر ایمان۔ اس کے سوا دوسرا کوئی اور راستہ نہیں۔ بقول مفکر قرآن جناب علامہ اقبال:۔

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ بت پرستی یا شرک کا مسئلہ نفسیاتی سائنس کی تحقیق کے مطابق انسان کے ''قلب'' یا ''من'' یا ''نفس'' سے نہایت گہرا تعلق رکھتا ہے۔ اسے قرآنی تعلیمات کے ذریعے تبدیل کرنا ہو گا ورنہ ایک بت چھوڑیں گے تو دوسرے کا دامن پکڑ لیں گے۔ مغربی فلاسفر پسکال نے ٹھیک کہا ہے کہ:

''انسانی ذہن اپنی فطرت سے مجبور ہے کہ وہ کسی نہ کسی چیز پر ایمان رکھے جب اسے ایمان اور محبت کے لئے کام کی باتیں نہیں ملتیں تو وہ بے کار اور خراب مقصد پر ریجھ جاتا ہے۔ خلا قدرت کے کارخانے میں محال ہے۔ انسان خدا پر ایمان چھوڑ دے تو شیطان کی پرستش کرنے لگ جاتا ہے'' (۱۲)۔

لہٰذا ہمیں انسانی ''من'' یا ''قلب'' میں تبدیلی لانی ہو گی یعنی شرک زدہ ''پاپی من'' تبدیل کرنا ہو گا۔ علامہ اقبال انسانیت کے اور ہمارے اس نفسیاتی مرض کی طرف واضح اشارہ کرتے ہیں:۔

مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا

دوسری جگہ علامہ نے ایک ہی شعر میں بت پرستی کی نفسیات بیان کر دی ہے۔

بیاں میں نکتہء توحید آ تو سکتا ہے

ترے دماغ میں بتخانہ ہو تو کیا کہیے

یعنی بت پرستی یا شرک کا تعلق انسان کے ''پاپی من'' سے ہے اور اس من کو پھر سے ''خدائی صفات کا حامل من'' بنانا پڑے گا اور یہ صرف قرآن کریم کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

مغرب کے لئے وہ دور سیاہ ترین تھا جب مغرب کے مفکرین اور سائنسدانوں اور علماء نے یہ فیصلہ دے دیا کہ اسلام بھی دوسرے مذاہب عالم کی طرح ایک ''مذہب'' ہے اور دنیائے علم کے لوگ تو بخوبی جانتے ہیں کہ ''مذہب'' کی حیثیت علم کی دنیا میں کیا ہے؟ وہ علم کے آگے ٹھہر ہی نہیں سکتا۔ مثلاً مذہب کو مفکر رسل (Rsussell) انسانیت کی تباہی کا باعث سمجھتا ہے (۱۳)۔ مارکس مذہب کو مظلوموں کی سسکیوں کا باعث اور افیون قرار دیتا ہے اور فرائڈ مذہب کو واہمہ یا فریب نظر (Illusion) قرار دیتا ہے (۳)۔ اور بین الاقوامی شہرت یافتہ عالم نفسیات ڈاکٹر برنڈن کہتے ہیں کہ مذہب بنیادی طور پر انسانیت کش ہے (۱۸)۔ یہ چند مثالیں ہیں۔ اگر ''قرآن کا اسلام'' بھی مذہب ہے تو پھر کون اسے سنجیدگی سے لے گا۔ کاش مغرب کے علماء کا رویہ علم اور تحقیق پر مبنی ہوتا لیکن یہ سازش ہم سمجھتے ہیں کہ بغیر تحقیق کے جہالت کی بنا پر کی گئی اور تعصب کی بنیادوں پر پھیلائی گئی اور ان کا اب بھی یہی حال ہے۔ ہم مغرب کے اس رویے کو (Fundamentalist) قسم کا رویہ قرار دیتے ہیں جو مذہب ہی کی پیداوار ہے' جو نئی بت پرستی کا ہی نتیجہ ہے۔ افسوس ہے کہ مسلمان بھی اس فریب میں آ کر اسلام کو مذہب کہنے اور سمجھنے لگ گئے ہیں۔ یہ مشکل لگتا ہے کہ مغرب بت پرستی سے نجات حاصل کر سکے کیونکہ ان کے پاس وحی نہیں ہے نہ وہ ''آخری وحی'' کو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ہمارے لئے موقع ہے کہ ہم شرک جیسے موذی مرض سے جان چھڑالیں کیونکہ قرآن کریم ہمارے پاس ہے۔

اسلام بحیثیت دین (یعنی نظام حیات) صدر اول کے بعد' پہلی بار عظیم سکالر و مفکر قرآن پرویز صاحب کی عظیم کوششوں سے سامنے آیا ہے۔ اس مفکر نے جتنی وضاحت' تفصیل اور منظم طریقے سے اسے بیان کیا ہے اس میں ان کا کوئی ثانی نہیں۔ ان کا کام منفرد اور یکتا ہے۔ جو مسلمان قوم پر اور پوری انسانیت پر احسان عظیم ہے۔ دنیا کو چاہئے تھا کہ وہ اس عظیم انسان کو کم از کم (Noble Prize) دیتی۔ لیکن تعلیم یافتہ دنیائے مغرب تو اس محسن کو پہچاننے سے گریز کی راہیں نکالتی رہی ہے۔ جس کی وجہ بھی ان کی بت پرستانہ ذہنیت ہے اور ہم مسلمانوں نے یعنی دنیائے اسلام نے تو علامہ پرویز کو سب سے بڑا نوبل پرائز دیا ہے وہ ہے ''کفر'' کا فتویٰ۔ اس احسان فراموشی کے سبب مغربی یا اسلامی دنیا کی نجات کیسے ممکن ہوگی۔ قدرت کے اٹل قانون کے تحت ہم اور مغرب دونوں سخت سزا میں مبتلا ہیں۔ دونوں جہنم میں ہیں شرک کی وجہ سے۔ یہ شرک کا کینسر نہ معلوم دنیا کو کہاں لے جائے گا حالانکہ یہ کینسر قابل علاج ہے اور اس کا علاج ہے قرآن کریم کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا۔

امید ہے کہ اس مقالے سے آپ کم از کم یہ تو سمجھ گئے ہوں گے کہ آپ کس قسم کے بت یا بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ اگر آپ کا جواب ''ہاں'' میں ہے تو یہ ''آگاہی'' یا ''آگاہی ذات'' بھی بہت بڑی نعمت ہے اور سب سے پہلا قدم ہے ترقی کی جانب۔ اس کے بغیر کچھ بھی ممکن نہیں۔ نفسیات کی اصطلاح میں اسے (Deeper Insight) کہا جاتا ہے۔ یعنی یہ سمجھنا اور ماننا کہ ''ہم نے ظلم کیا اپنے آپ پر'' یا ہم غلطی پر ہیں''۔ یا (Admitting that I am suffering or we are suffering) قدم اول بھی ہے اور اشد ضروری بھی۔ اسٹیفن کوی کے الفاظ میں (First Things First)

اگر آپ کا جواب ''نہیں'' میں ہے یعنی بات آپ کے دل میں نہیں اتری ہے۔ تو پھر سے کوشش کیجئے۔ یہ سب کچھ خود بخود نہیں ہوگا۔ انسانی دنیا میں' دماغی و نفسیاتی سائنس کی رو سے کچھ بھی خود بخود نہیں ہوتا بلکہ ہر چیز حاصل کرنے کے لئے اسے اپنی ذہنی صلاحیتوں کو خود ہی استعمال کرنا ہوگا (۱۹' ۲۰' ۲۱' ۲۲)۔ اس کے لئے سمجھنے کی کوشش کرنی پڑے گی۔ وہ سب سے پہلا قدم آپ جانتے ہیں کہ مشکل کام ہے'

یعنی ''ثم تتفکرون'' ۔ یاد رکھئے کہ سوچنا اور سمجھنا بھی ایک عمل ہے۔ جس طرح دوسرے اعمالِ انسانی میں محنت و مشقت ہوتی ہے' اسی طرح تدبر و تفکر کے عمل کے لئے بھی ذاتی طور پر ہر ایک کو خود ہی محنت کرنی پڑے گی اور ماہرین نفسیات بڑی تفصیل سے بتاتے ہیں کہ یہ ہماری ذمہ داری ہے اور ہر انسان کو ذاتی طور پر خود یہ ذمہ داری اٹھانی اور نبھانی ہوگی۔ مزید یہ کہ یہ اس کی زندگی کا بنیادی تقاضا بھی ہے (۲۱'۲۲'۲۳)۔ کوئی کسی کا بوجھ اٹھا نہیں سکتا (۵۳/۳۸)۔ ہر نفس کو اپنے اپنے بت توڑنے کا ''بوجھ'' خود ہی اٹھانا پڑے گا۔ اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو یہ بت ہمیں ہی توڑ دیں گے۔ جیسے خود مردہ ہیں ہمیں بھی ویسا کر دیں گے۔ آہستہ آہستہ یہی تو ہو رہا ہے۔ بس ہمیں آگاہی و شعور نہیں ہے۔ یہی آگاہی ہمیں سوچنے اور سمجھنے کی محنت و مشقت سے حاصل ہو جائے گی۔ پھر دوسرے اقدام ممکن ہو سکیں گے۔ لیکن آج کل کا انسان اتنا موت سے بھی نہیں گھبراتا جتنا ''سوچنے'' سے گھبراتا ہے۔ مغرب کے انسان کا یہ حال ہے کہ وہ بھی (Active Thinking) سے دور بھاگتا ہے اور حد یہ ہے کہ تھوڑا تھوڑا سوچنے سے بھی (Thinking even in small doses) گریز کی راہیں نکالتا ہے (۲۴)۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ ہمارا کیا حال ہوگا؟ جس قوم نے صدیوں سے سوچنا ہی بند کر دیا ہو تو اس کی کیفیت کیا ہو گئی ہوگی۔ ہم ایک تن آساں اور انتہائی عیاش قوم بن گئے ہیں بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ! یعنی ہمارا حال تو یہ ہو گیا ہے کہ خود سوچنا اور تحقیق کرنا تو درکنار اگر کوئی ساری قوم کے حصے کا یہ کام اکیلے ہی کر دے تو یہ لوگ شکریہ اور احسان مندی تو ایک طرف یہ قوم اس عظیم انسان کو مارنے کے درپے ہو جاتی ہے۔ اس قوم کے افراد اگر مار نہیں سکتے تو ساری عمر اس کی مخالفت کرتے رہتے ہیں۔ یہی کچھ ہم نے بحیثیت مجموعی عظیم مفکر قرآن پرویز صاحب کے ساتھ کیا ہے۔

حوالہ جات:-

1. Danesh, H.B. The Psychology of Spirituality, 1997.
2. Fromm, Erich. You Shall Be As Gods, 1966.
3. Freud, Sigmund. The Future of an Illusion, 1930.
4. Fromm, Erich. Psychoanalysis and Religion, 1950.
5. Iqbal, Allama. The Reconstruction of Religious Thoughts in Islam, 1934.
6. Parwez, G.A. 1961. لغات القرآن
7. Parwez, G.A. 1984. مطالب الفرقان
8. Parwez, G.A. 1959. انسان نے کیا سوچا؟
9. Parwez, G.A. 1974. من و یزداں
10. Fromm, Erich. On Being Human, 1994.
11. Fromm, Erich. Psychoanalysis and Religion, 1950.
12. Parwez G.A. 1975. اقبال اور قرآن
13. Russell, Bertrand. Why I am not a Christian, 1957.
14. Fromm, Erich. The Anatomy of Human Destructiveness, 1973.
15. Leshan, Lawrence. You Can Fight Fro Your Life, 1980.
16. Branden, Nathaniel. The Psychology of Self Esteem, 1969.
17. Meslow, Abraham. The Farther Reaches of Human Nature, 1971.
18. Branden, Nathaniel. The Disowned Self, 1971.
19. Branden, Nathaniel. The Six Pillars of Self Esteem, 1996.
20. Fromm, Erich. The Art of Listening, 1994.
21. Jones, Richard Nelson. Effective Thinking Skills, 1996.
22. Branden, Nathaniel. The Art of Living Consciously, 1997.
23. Branden, Nathaniel. Taking Responsibility, 1996.
24. Fromm, Erich. The Art of Being, 1992.

PAMPHLETS--پمفلٹس

ادارہ طلوع اسلام دینی موضوعات پر پمفلٹس شائع کرتا رہتا ہے۔

مندرجہ ذیل پمفلٹس 5 روپے فی پمفلٹ کے حساب سے ڈاک ٹکٹ بھجوا کر طلب فرمائیں۔

1- آرٹ اور اسلام
2- ....
3- اسلام کیا ہے؟
4- ....
5- اسلام آگے کیوں نہ چلا؟
6- ....
7- اسلام ہی کیوں سچا دین ہے؟
8- ....
9- اندھے کی لکڑی
10- بنیادی حقوق انسانیت اور قرآن
11- جہاں مارکس ناکام رہ گیا
12- حرام کی کمائی
13- ....
14- ....
15- دوقومی نظریہ
16- روٹی کا مسئلہ
17- ....
18- ....
19- ....
20- عورت قرآن کے آئینے میں
21- فرقے کیسے مٹ سکتے ہیں؟
22- قرآن کا سیاسی نظام
23- قرآن کا معاشی نظام
24- قوموں کے تمدن پر جنسیات کا اثر
25- کیا قائداعظمؒ پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنانا چاہتے تھے؟
26- کافرگری
27- ....
28- مقام اقبالؒ
29- مرزائیت اور طلوع اسلام
30- مقام محمدی ﷺ
31- ماؤزے تنگ اور قرآن
32- ہم میں کیریکٹر کیوں نہیں؟
33- ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
34- Islamic Ideology
35- Is Islam a Failure?
36- Why Islam is the Only True Deen?
37- Parmanent Values
38- اسلامی قانون کی اصل و بنیاد کیا ہے؟
39- انسانیت کا آخری سہارا
40- پاکستان کی نئی "زیارت گاہیں"
41- نماز کی اہمیت
42- ہم عید کیوں مناتے ہیں؟
43- Why Do We Lack Character?
44- ہندو کیا ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عبرت آموز!

(نوشتہ جنوری ۱۹۶۳ء)

(ہندوستان کے قارئین طلوع اسلام میں سے ایک صاحب نے ہمیں، ایک انگریزی اخبار (Sunday Standard) کا ایک تراشہ بھیجا ہے (جس پر اخبار کی تاریخ اشاعت درج نہیں)۔ اس میں وہاں کی پارسی جماعت کے رفاہ عام کے کاموں کی کچھ تفصیل درج ہے۔ اس کا رواں ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے۔ طلوع اسلام)

یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ (ہندوستان میں) پارسی جماعت کا خیراتی نظام اپنے فرقہ کے ہر فرد کی ضروریات زندگی کے بارے میں، مہد سے لحد تک، ہر بات کا خیال رکھتا ہے۔ اس جماعت کی تعداد یہاں بمشکل ایک لاکھ کے لگ بھگ ہوگی لیکن انہوں نے اپنے ہاں بیاسی ٹرسٹ فنڈز قائم کر رکھے ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ملک بھر میں یہی ایک جماعت ہے جس کا ایک فرد بھی ان پڑھ یا بیکار نہیں۔ ایسی کوئی مثال نہیں مل سکے گی کہ ان کے ہاں کوئی فرد کسی مصیبت میں مبتلا یا بیماری کا شکار ہوا ہو اور معاشرہ اس کی نگہداشت سے قاصر رہا ہو۔

پارسیوں کا امیر و کبیر فرقہ رفاہی امور میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ ان کے ہاں بعض ٹرسٹ مختلف خاندانوں کی طرف سے، چھوٹے چھوٹے خیراتی سلسلوں پر مشتمل اور کسی نہ کسی مخصوص رفاہی شعبہ کے لئے وقف ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں جن کا سلسلہ فیض بڑی وسعتوں تک پھیلا ہوا ہے اور ان کا سرمایہ کروڑوں روپوں تک پہنچتا ہے۔ یہ خیراتی تنظیمیں اپنے افراد کی تمام ضروریات ہی کو پورا نہیں کرتیں بلکہ اس قسم کے دیگر اداروں کے مقابلہ میں ان کے سرمائے کی فیض بخشیاں، اپنی وسعت کے اعتبار سے امتیازی شہرت رکھتی ہیں۔ حالات کے نئے تقاضوں کی بنا پر جب ان کی معاشرتی ضروریات، بڑھ جاتی ہیں تو سرمائے میں حسب ضرورت اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں بنیادی اہمیت اس نکتہ کو حاصل ہے کہ یہ مالی امداد ''خیرات'' کی حیثیت نہیں رکھتی بلکہ افراد معاشرہ کی نشوونما اور خودگری کا سامان قرار پاتی ہے۔

پارسی پنچایت

پارسیوں کی تین عظیم ٹرسٹ...... این۔ ایم۔ واڈیا چیریٹیز، سر رتن ٹاٹا ٹرسٹ اور سر دہراب جی ٹاٹا ٹرسٹ...... رفاہ عامہ کے ادارے ہیں۔ بعض ادارے اتنے ہی قدیم ہیں جتنی کہ اس فرقے کی اپنی ابتداء مثلاً قدیم رفاہی ادارہ، پارسی پنچایت، ۱۷۷۵ء میں قائم ہوا تھا۔ اس کا آغاز ایک معاشرتی تنظیم کی حیثیت سے ہوا لیکن جلد ہی اس نے اپنے فرقے کی فلاح و بہبود کے ابھرتے ہوئے تقاضوں کو محسوس کیا اور ۱۸۵۱ء میں یہ پنچایت ایک پبلک ٹرسٹ کی حیثیت سے رجسٹرڈ ہوگئی۔ پارسی پنچایت آج اپنے فرقے کا پورا نظم حیات اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہے۔ یہ عمر رسیدہ افراد کی نگہداشت کا انتظام کرتی ہے۔ طلباء اور ضرورت مند خاندانوں کے لئے وظائف اور عام امداد کی صورت پیدا کرتی ہے۔ ایک شعبہ روزگار اس کے زیر اہتمام سرگرم کار ہے۔ ایک (Tower of Silence) جہاں مردوں کی تدفین کی جاتی ہے۔۔ اس کی تحویل میں ہے۔ کاروباری اور تجارتی شعبوں سے متعلق کلاسیں اسی کے زیر اہتمام جاری ہیں۔ ایک نرسری سکول اور دارالصحت کا انتظام بھی اس کے ہاتھوں میں ہے اور اس طرح یہ پنچایت اپنے فرقے کی فلاح و بہبود کے لئے دو لاکھ روپے سالانہ کا خرچ برداشت کرتی ہے۔

اس ملک میں پارسی فرقہ شاید وہ واحد فرقہ ہے جو عمر رسیدہ اور معذور افراد کی منظم طور پر دستگیری کرتا ہے۔ ایک صدی قبل سر ایف۔ ایس پریخ نے عمر رسیدہ افراد کی قیام گاہ کے طور پر ایک شاندار عمارت تعمیر کی۔ اس کا آغاز بڑی سادگی سے ہوا۔ لیکن آج یہ عمارت ایک سو تیس بوڑھے اور معذور افراد۔۔ چوہتر مرد اور چھپن عورتوں کو اپنی پناہ میں لئے ہوئے ہے۔

بے بسوں کی پناہ گاہ

یہ لوگ تن تنہا نہیں ہوتے۔ ان میں بہت سی تعداد ہے جن کے خاندان اور عزیز شہر میں بستے ہیں۔ لیکن جب یہ رشتہ دار محسوس کرتے ہیں کہ کسی وجہ سے، وہ ان عمر رسیدہ افراد کی نگہداشت کے قابل نہیں رہے تو انہیں محتاج خانوں میں پناہ مل جاتی ہے۔ جسمانی عوارض کے شکار، پیرانہ سالی کی نقاہت سے لاچار اور وہ کہن سال جن کی عمر پینسٹھ سال سے تجاوز کر چکی ہو، انہیں اس عمارت میں، جو پریخ دھرمسالہ کے نام سے یاد کی جاتی ہے، داخلہ کے لئے اذن عام ہے۔

یہ دھرمسالہ انہیں عیش و عشرت کے سامان تو مہیا نہیں کرتی۔ لیکن ان کی ضروریات زندگی کی کفالت ضرور کرتی ہے۔ بیسیوں مرد اور عورتیں جن کے اعضاء پر بڑھاپے کی لرزش اور نقاہت طاری ہوتی ہے۔ جن کی نگاہوں میں افسردگی اور اداسیاں جھلکتی ہیں، اٹھتے بیٹھتے یا بستروں پر آنکھیں موند کر لیٹے ہوئے۔ لبوں میں کتنے ہی شکووں کو سمٹائے ہوئے مریض اور وہ پیران کہن سال جو زمانے کی اس بے وفائی کے شکوہ سنج ہیں کہ اس نے انہیں یکسر بھلا دیا اور فطرت کے خلاف غیض آلود کہ اس نے اس عالم میں انہیں سسک سسک کر مرنے کے لئے چھوڑ دیا۔ یہ ہیں وہ کسمپرسی کے عالم میں جینے والے لوگ جو اس پناہ گاہ میں آرام سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اگر اس فرقہ کے مخیّر حضرات نے ان بیچاروں کے لئے یہ انتظامات نہ کئے ہوتے تو پھر سوچئے کہ یہ لوگ کس طرح بے بسی کے عالم میں سرراہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر دم توڑتے۔

یہ دھرمسالہ ایک وسیع ہوادار عمارت ہے۔ سات لڑکے اور پانچ عورتیں یہاں کے مکینوں سے متعلق اپنے فریضہ کی ادائیگی پر مامور ہیں۔ یہ ان کہن سال اور مریض پناہ گزینوں کو نہلاتے اور کھانا کھلاتے ہیں۔ مریضوں کی نگہداشت کے لئے یہاں دو نرسیں مقرر ہیں اور ہفتے میں دو بار ڈاکٹر ان کا معائنہ کرتا ہے۔

ان پناہ گزینوں میں سے اکثر نچلے درجہ کے اوسط طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں سے اکثر خواندہ ہیں اور کچھ زیادہ تعلیم یافتہ جنہیں حالات نے بیچارگی کا شکار بنا ڈالا۔ ان کی دیکھ بھال کے لئے ایک سپرنٹنڈنٹ بھی متعین کیا گیا ہے۔ علاوہ بریں ٹرسٹیوں نے کچھ سوشل ورکر بھی مامور کر رکھے ہیں جو ان مصیبت کے ماروں سے گھل مل کر ان کا غم غلط کرنے میں کوشاں رہتے ہیں۔ مزید براں ایک مشاورتی مجلس موجود ہے جو ہر ماہ دھرم سالہ میں اپنا اجلاس کرتی ہے تاکہ ابھرتے ہوئے نو بہ نو مسائل کا حل تجویز کر سکے۔ جیسا کہ بتایا گیا ہے۔ ان انتظامات پر چھ سات ہزار روپے ماہوار خرچ اٹھتا ہے۔

پارسی پنچایت اور اس سے ملحق اداروں کی سرگرمیوں کا ایک اور اہم ترین گوشہ خاندانی فلاح و بہبود کے مسائل ہیں۔ اس سلسلہ میں ہنگامی اور خصوصی ضروریات مثلاً بیماری، شادی اور قرضوں کی ادائیگی سے عہدہ برآ ہونے کے لئے عطیات دیئے جاتے ہیں۔

شعبہء روزگار

پنچایت کا شعبہء روزگار ہر ماہ تیس سے پچاس تک افراد کے روزگار کا انتظام کرتا ہے۔ اس سے متعلق کاروباری رہنمائی کا شعبہ صلاحیتوں کی جانچ پڑتال سے عہدہ برآ ہوتا ہے۔ ممکن الحصول ملازمتوں کی زیادہ سے زیادہ نشاندہی کرتا ہے اور اگر ضروری قرار پا جائے تو مختلف شعبوں سے متعلق نوجوانوں کے لئے تعلیم و تربیت کا بھی اہتمام کرتا ہے۔

رہائشی بستیوں کی تعمیر

پارسی ٹرسٹ اپنے فرقہ کی ضروریات پر کڑی نگاہ

رکھتے ہیں اور جہاں کہیں اور جس وقت کسی کو امداد کی ضرورت درپیش ہو یہ اسے فی الفور سرانجام دیتے ہیں۔ جب رہائشی قیام گاہیں نایاب ہو جاتی ہیں تو کئی خیراتی ادارے آگے بڑھتے ہیں اور اپنے افراد کے لئے نئی بستیوں کی تعمیر کا سلسلہ شروع کر دیتے ہیں۔ اس قسم کی نصف درجن رہائشی بستیاں شہر کے اچھے اچھے حصوں میں موجود ہیں۔ جہاں کم آمدنی والے پارسی رعایتی کرایہ پر آرام دہ مکان حاصل کر سکتے ہیں۔ اس قسم کی بستیوں میں تین کمروں کا ایک اچھا فلیٹ عام طور پر تیس چالیس روپے ماہوار پر مل جاتا ہے۔ یہاں ایک کمرے کے مختصر سے فلیٹ سے لے کر چھ سات کمروں کے بنگلہ تک ہر نوع کے مکانوں کا سلسلہ موجود ہے۔ کرائے کی یہ آمد' عام طور پر' ان عمارتوں کی مرمت کے ضروری اخراجات کی کفیل ثابت ہوتی ہے۔

ان بستیوں میں آباد افراد کے لئے رفاہی خدمات مہیا کی جاتی ہیں جو درس گاہوں' لائبریریوں' کھیل کے میدانوں اور خواتین کے کاروباری مراکز پر مشتمل ہوتی ہیں۔ منتظمین کو بہرحال اس کا خیال رکھنا پڑتا ہے کہ درخواست دہندگان میں سے صرف وہ حقیقی مستحقین اس سے مستفید ہو سکیں جنہیں واقعی اس کی ضرورت ہے۔

طلباء کی سرپرستی

اپنے فرقہ کے لئے پارسی پنچایت نے بہترین سازوسامان سے آراستہ نرسری سکول بھی شہر میں قائم کر رکھا ہے۔ اس قسم کے سکول مختلف پارسی بستیوں سے بھی ملحق ہیں۔ زیرتعلیم بچوں کے لئے جو اپنے اسباق کی تیاری میں مدد کے طالب ہوں خصوصی کلاسوں کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔ کالجوں کے طلباء و طالبات کی رضاکارانہ خدمات اس سلسلہ میں بروئے کار لائی جاتی ہیں۔ ان رضاکاروں کو بطور الاؤنس روزانہ دو دو روپے دیئے جاتے ہیں۔ تعلیمی سہولتوں اور مالی امداد میں جو پارسی طلباء کو ٹرسٹ فنڈ سے مہیا کی جاتی ہے حیرت انگیز فیاضی روا رکھی جاتی ہے۔ درجہ میٹرک کے بعد کی تعلیمات' کاروباری تربیت اور غیر ممالک میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے خواہشمند طلباء کی امداد کے لئے مشترکہ ٹرسٹ فنڈ قائم کئے گئے ہیں۔ بیس سال قبل ضرورت مند طلباء کو وظائف مہیا کرنے کے لئے چودہ ٹرسٹوں نے اپنے وسائل آمدنی میں اشتراک باہمی کی صورت پیدا کی تھی۔

۶۲-۱۹۶۱ء میں ۲۷۱ طلباء نے میٹرک کے بعد اپنا سلسلہ تعلیم جاری رکھنے کے لئے مالی امداد کی درخواست کی۔ ان میں سے ۲۰۱ درخواستوں کو قبول کر لیا گیا۔ ان میں سے اکثریت نے بی۔ ایس۔ سی اور بی اے کرنے کا فیصلہ کیا اور ایک نے ایم۔ ایس۔ سی کا۔ انہیں جو مالی امداد مہیا کی گئی وہ ٹیوشن فیس' رہائشی اخراجات اور نصابی کتابوں وغیرہ کی خرید کے سلسلے میں تھی۔ حقیقی ضروریات کے تمام معاملات میں مطلوبہ مالی امداد مل جاتی ہے اور صرف انہی طلباء کے معاملہ میں معذوری ظاہر کی جاتی ہے جن کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وہ مزید حصول تعلیم کی صلاحیتوں سے عاری ہیں یا بار بار امتحان میں ناکام ہو چکے ہیں یا جن کے والدین ان کے اخراجات برداشت کرنے کے قابل ہیں۔

پچھلے سال مشترکہ ٹرسٹوں نے فنی اور کاروباری تعلیم و تربیت سے متعلق وظائف کے سلسلے میں ستائیس ہزار کی رقم مہیا کی۔ ۱۲۰ طلباء میں سے جنہوں نے اس مقصد کے لئے درخواست کی صرف آٹھ طلباء کو امداد مہیا کرنے سے معذوری ظاہر کی گئی۔ باقی سب مطلوبہ امداد سے مستفید ہوئے۔ اس امداد کی بدولت وہ فنی تعلیم کے مختلف شعبوں میں داخلہ لینے کے قابل ہو گئے جس میں سول مکینیکل' الیکٹریکل انجینئرنگ' فن تعمیر اور ٹیکسٹائل ٹیکنالوجی کی تعلیمات بھی شامل ہیں۔ اس امر کا یقین حاصل کرنے کے لئے کہ یہ امدادی رقوم ضائع نہ ہونے پائیں' درخواست دہندگان کو کاروباری رہنمائی اور اپنی صلاحیتوں کی جانچ پڑتال کے مراحل طے کرنے ہوتے ہیں اور تب جا کر کہیں ان کے لئے وظائف کی منظوری طے پاتی ہے۔

اس طرح ان وظائف کے طفیل ۱۹۶۱ء میں چوبیس

طلباء کو برطانیہ اور امریکہ میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کا موقع ملا۔ ان طلباء کو باسٹھ ہزار روپے بطور وظائف عطا کئے گئے اور سترہ ہزار کی رقوم بطور قرض دی گئیں۔

پارسی خیراتی امور کی خارجہ تعلیمی کمیٹی کا قیام سولہ سال قبل عمل میں آیا۔ یہ کمیٹی ۱۹۶۱ء تک ۲۶۴ طلباء کو دس لاکھ روپے سے زیادہ رقوم وظائف کی صورت میں مہیا کر چکی ہے۔ ان طلباء میں سے ۱۲۱ طالب علم اعلیٰ تعلیم کے حصول کے بعد بیرونی ممالک سے واپس آ چکے ہیں۔ ۲۷ فارغ التحصیل طلباء نے عملی تجربہ حاصل کرنے کے لئے بیرونی ممالک میں ہی عارضی ملازمتیں حاصل کر لی ہیں۔ ۴۸ طلباء برطانیہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور اسی طرح ۴۴ امریکہ میں۔ ان طلباء نے جو نصاب اختیار کر رکھے ہیں وہ ٹیکسٹائل ٹیکنالوجی' سٹرکچرل انجینئرنگ' راڈر انجینئرنگ' فارکیموشیلز' ایف۔ آر۔ سی۔ ایس (میڈیسن) سوشیالوجی اور جنرل سائنس پر مشتمل ہیں۔

ان تعلیمی عطیات کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اسے پوری طرح ملحوظ رکھا جاتا ہے کہ عطیات پانے والے کسی قسم کی ذلت محسوس نہ کرنے پائیں۔ یہ عطیات قابلیت کی بناء پر دیئے جاتے ہیں۔ اسے افراد کی منشاء پر نہیں چھوڑا جاتا بلکہ ایک مجلس انتخاب اس کا فیصلہ کرتی ہے۔

غریب طلباء کے لئے ہوسٹل

یہ ٹرسٹ اور خیراتی تنظیمیں غریب طلباء کے لئے ہوسٹل بھی قائم کئے ہوئے ہیں۔ اس قسم کا ایک ہوسٹل بمبئی کی گمادیا کالونی میں واقع ہے۔ علاوہ بریں سورت کے قریب مشہور حکیم جی سکول اور ہوسٹل موجود ہیں۔ یہ ان نواحی قصبات کے طلباء کے لئے وقف ہیں جہاں تعلیمی سہولتوں کا فقدان ہے۔

ان مراعات اور وظائف میں جو مختلف ٹرسٹوں کی طرف سے پیش کئے جاتے ہیں تطابق قائم رکھنے' فلاحی امور کو دوعملی کی الجھنوں سے بچانے اور ممکن الحصول رقوم کو زیادہ سے زیادہ مفید بنانے کے لئے پارسی خیراتی اداروں نے ۱۹۴۶ء میں ایک رابطہ کمیٹی قائم کی تھی۔ وظائف اور مالی امداد کے سلسلے میں تمام درخواستیں اسی کمیٹی کی وساطت سے تکمیل کے مراحل طے کرتی ہیں جس سے اکثر اوقات تحقیقاتی ادارہ کا کام بھی لیا جاتا ہے۔ اڑتیس بڑے بڑے اداروں نے اس کمیٹی سے اشتراک قائم کر رکھا ہے۔ کمیٹی نے بچوں کی خدمات کا سلسلہ بھی قائم کر رکھا ہے جو تربیتی نگہداشت' نشوونما اور قیام و طعام کے امور پر مشتمل ہے۔ ایسے بچے جو بدقسمتی سے بے گھر رہ جائیں۔ یا ان کے گھر سامان مسرت سے محروم ہوں انہیں یتیم خانوں میں نہیں بھیجا جاتا۔ حتیٰ الامکان کوشش کی جاتی ہے کہ انہیں ان کے رشتہ داروں کی سرپرستی میں رکھا جائے۔ ان بچوں کو بیرونی تربیت گاہوں میں رکھا جائے یا ان کے رشتہ داروں کی تحویل میں' ان کے اخراجات بہرحال کمیٹی کیطرف سے ادا کئے جاتے ہیں۔

پارسی خواتین کے کارنامے

پارسی خواتین نے ان خیراتی کارفرمائیوں میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اکثر اداروں میں وہ ٹرسٹیوں کی حیثیت سے شامل ہیں۔ ستری زرتھوستی منڈل پارسی (خواتین کا ادارہ) نے سو سال قبل عورتوں کے لئے پہلا صنعتی سکول قائم کیا تھا۔ آج کل اسے سررتن ٹاٹا انڈسٹریل انسٹی ٹیوٹ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ انسٹی ٹیوٹ تین سو پارسی خواتین کو روزگار مہیا کرتا ہے۔ اس کا ایک شعبہ کھانے پکانے سے متعلق ہے جہاں انواع و اقسام کے کھانے فروخت ہوتے ہیں۔ ایک شعبہ خوراک مہیا کرنے سے متعلق ہے۔ دستی اور مشینی کشیدہ کاری اور بچوں کے ملبوسات سے متعلق الگ شعبے ہیں یہ تمام شعبے بڑے کامیاب ثابت ہوئے ہیں اور اپنی کارکردگی کے بلند معیار کے اعتبار سے نمایاں شہرت حاصل کر چکے ہیں۔ روزگار مہیا کرنے کے لحاظ سے تو یہ ادارہ مثالی مقام رکھتا ہے۔ اس سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے اسے وہاں کے کارکنوں کو دے دیا جاتا ہے۔ ان کے لئے ایک ہوسٹل کا انتظام ہے۔ گاہے بگاہے انہیں مالی امداد بھی دی جاتی ہے۔ ان کے بچوں

کے تعلیمی واجبات ادا کئے جاتے ہیں اور علاج معالجہ کی سہولتیں بھی مہیا کی جاتی ہیں۔

درخشندہ مثال

ملک کی اس چھوٹی سی جماعت نے فلاحِ انسانیت کے میدان میں دیگر جماعتوں کے سامنے ایک مثال قائم کی ہے۔ معاملہ محض بڑی بڑی رقوم کے خرچ کرنے کا نہیں، اصل حقیقت یہ ہے کہ سرمائے کی تنظیم اس احسن انداز سے کی گئی ہے کہ اس کی بدولت پارسیوں کے خیراتی ٹرسٹ بے مثال اداروں کا مقام حاصل کر گئے ہیں۔ معنوی نقطہ نظر سے ان کی خیرات ایک ''منظم خیرات'' کی حیثیت رکھتی ہے۔ مقصد پیش نظر ''خیرات کی تقسیم'' نہیں بلکہ افراد معاشرہ کو نشوونما کے سامان مہیا کرنا ہے۔ اس سلسلہء امداد سے مقصود یہ ہے کہ مختلف خاندان زیر و زبر ہو کر نہ رہ جائیں اور افراد کی صلاحیتوں کو نشوونما کے مواقع حاصل رہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

طلوع اسلام

یہ ہے مختصر سی روئیداد رفاہ عامہ کے امور سے متعلق اس جماعت کی جس کی کل آبادی ہندستان میں ایک لاکھ سے زیادہ نہیں۔ کبھی وہ زمانہ تھا کہ غیر مسلم اقوام، مسلمانوں کے رفاہ عامہ کے امور کو بطور مثال پیش کیا کرتی تھیں اور اب حالت یہ ہے کہ ہم اس مختصر سی غیر مسلم جماعت کے ان کارناموں کو ہندوستان کے چار پانچ کروڑ، اور پاکستان کے سات آٹھ کروڑ مسلمانوں کے سامنے بطور مثال پیش کرتے ہیں بالخصوص پاکستان کے مسلمانوں کے سامنے، جن میں اب کئی ''ٹاٹا'' اور کئی ''برلا'' موجود ہیں۔ پھر سنئے کہ اس (پارسی) جماعت میں

☆ کوئی بچہ تعلیم سے محروم نہیں۔
☆ کوئی فردِ کاسب، بے روزگار نہیں۔
☆ کوئی شخص بھوکا نہیں۔
☆ کوئی بوڑھا، بیکس، لاچار، اپنے آپ کو تنہا محسوس نہیں کرتا۔
☆ کوئی مریض، علاج اور دوا سے محروم نہیں۔
☆ کوئی عورت پناہ کے بغیر نہیں۔
☆ کوئی یتیم، لاوارث، بچہ ماں باپ جیسی شفقت سے محروم نہیں۔

خدا کرے کہ یہ مثال ہمارے ہاں کے کسی ایک ''ٹاٹا'' کے دل میں غیرت کا احساس بیدار کردے! (طلوع اسلام)

◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆

DARS-E-QURAN (IN URDU)

BAZM TOLU-E-ISLAM MANCHESTER (U.K)

EVERY **FRIDAY** FROM **8PM – 9PM**

AT

33 ST. GEORGES ROAD, FALLOWFIELD
MANCHESTER, M14 6SX

DARS-E-QURAN AUDIO AND VIDEO TAPES (URDU) AND ALL THE PUBLICATIONS BY ALLAMA PARWEZ ARE AVAILABLE IN OUR LIBRARY FOR LENDING.

PLEASE CONTACT:- MR. MEHFOOZ (0161 286 5496)
OR MR. R.QURESHI:- TEL & FAX NO. (01565 830278)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''غیر مسلموں کے نیک کاموں کے ثواب کا مسئلہ''

سوال

غیر مسلموں کے نیک اعمال کا بدلہ۔

کہا جاتا ہے کہ نجات صرف مسلمان کی ہو سکتی ہے۔ کافر کی نہیں ہو سکتی۔ ایک غیر مسلم بڑے نیک کام کرتا ہے۔ وہ جھوٹ نہیں بولتا۔ چوری نہیں کرتا۔ کسی کو ستاتا نہیں۔ خیرات کرتا ہے۔ غریبوں کی مدد کرتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ تو کیا اسے اس کے ان نیک کاموں کا کوئی اجر نہیں ملے گا اور اس کی اس لئے نجات نہیں ہوگی کہ وہ مسلمان نہیں ہوا اور ایک مسلمان محض اس لئے جنت میں چلا جائے گا کہ وہ مسلمان تھا خواہ اس کے اعمال کتنے ہی خراب کیوں نہ ہوں۔ اس سوال نے مجھے ایک مدت سے پریشان کر رکھا ہے اور اس کا تسلی بخش جواب کہیں سے نہیں ملتا۔

جواب

اس سوال نے صرف آپ ہی کو پریشان نہیں کر رکھا۔ بہت سوں کو پریشان کر رکھا ہے اور اس کا تسلی بخش جواب اس لئے نہیں ملتا کہ بنیادی طور پر یہ بات صاف نہیں کی جاتی کہ اسلام کہتے کسے ہیں اور کفر ہوتا کیا ہے۔ یہ بنیادی چیز سمجھ میں آجائے تو اس (بظاہر) پریشان کن سوال کا جواب آسانی سے مل جاتا ہے لہٰذا پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ اسلام کے معنی کیا ہیں؟ یہ ہے کیا؟ کفر اور اسلام میں فرق کیا ہے؟ عام طور پر سمجھا یہ جاتا ہے کہ کفر اور اسلام میں فرق صرف کھانے پینے کی چیزوں میں جائز اور ناجائز کی تمیز یا پرستش کے طور طریقوں میں اختلاف ہے۔ اصل سب مذاہب کی ایک ہی ہے۔ مولانا آزاد مرحومؒ کے الفاظ میں ''عالمگیر سچائیاں ہر مذہب میں یکساں طور پر پائی جاتی ہیں۔ فرق صرف ظاہری اعمال و رسوم میں ہے اور اس فرق کا نجات و سعادت سے کچھ تعلق نہیں۔'' یہ ہے اسلام کے متعلق وہ بنیادی غلط فہمی جس کی وجہ سے وہ تمام سوالات سینے میں ابھرتے ہیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ اور جو وجہ خلش و اضطراب بنتے ہیں۔

قرآن کریم چند مستقل اقدار۔ چند غیر متبدل اصول۔ چند ابدی حقائق عطا کرتا ہے جن کی بنیادوں پر انسانی معاشرہ کی تشکیل ہوتی ہے۔ کفر' ان اقدار' اصول اور حقائق سے انکار کا نام ہے۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ جن باتوں کو عام طور پر ''نیک کام'' کہا جاتا ہے (اور جن کی مثالیں آپ نے بھی پیش کی ہیں)' اس معاشرہ میں جو خلاف قرآن بنیادوں پر استوار ہوتا ہے' ان کی حقیقت اور وزن کیا ہوتا ہے؟ یہ بات ایک مثال سے سمجھ میں آسکے گی۔ ہندو نظریہء حیات کی رو سے انسانوں کی تفریق و تقسیم پیدائش کی رو سے ہو جاتی ہے۔ برہمن کے گھر میں پیدا ہونے والا بچہ' محض پیدائشی نسبت سے ہر شخص کے نزدیک واجب الاحترام ہوتا ہے اور اسے معاشرہ میں وہ مقام اور حقوق حاصل ہوتے ہیں جن میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہو سکتا۔ اس کے برعکس' شودر کے گھر میں پیدا

ہونے والا بچہ، تمام عمر ذلت اور پستی کی زندگی بسر کرتا ہے اور کوئی طریق ایسا نہیں جس سے وہ معاشرہ میں عزت اور وقار کا مقام حاصل کر سکے۔ خواہ اس کے جوہر ذاتی کچھ ہی کیوں نہ ہوں۔ (اب یہی تفریق و تقسیم دولت کی رو سے ہوتی ہے۔ امیر آدمی کے گھر میں پیدا ہونے والا بچہ، ابتدا ہی سے جس مقام پر فائز ہوتا ہے غریب آدمی کا بچہ ساری عمر اس کا تصور نہیں کر سکتا۔ روح وہی ہے۔ صرف پیکروں کی تبدیلی ہوتی ہے۔

بدل کے بھیس زمانے میں پھر سے آتے ہیں
اگرچہ پیر ہے آدم جواں ہیں لات و منات)

برہمن ساری عمر اس نظریہء زندگی کی تلقین کرتا رہتا ہے، اور اسے خدائی تفریق قرار دیتا ہے جسے دنیا کا کوئی انسان مٹا نہیں سکتا۔ ہندو معاشرہ کی تشکیل اسی نظریہء حیات کے مطابق ہوتی ہے۔ اب آپ سوچئے کہ اگر یہ برہمن، ساری عمر جو اس معاشرہ کے بندھنوں کو مضبوط کرتا رہتا ہے اور اس طرح کروڑوں انسانوں کو ذلت و خواری کے جہنم میں دھکیلتا چلا جاتا ہے۔ اگر یہ کہے کہ وہ چوری نہیں کرتا۔ جھوٹ نہیں بولتا۔ یا وہ مویشیوں کے پانی پینے کے لئے پیاؤ بنواتا ہے۔ کوڑھیوں کی جھولی میں بھیک کے ٹکڑے ڈالتا ہے یا اس قسم کے اور ''دان پُن'' کا کام کرتا ہے۔ تو کیا اس کی یہ انفرادی ''نیکیاں'' انسانیت کی میزان میں کچھ بھی وزن رکھیں گی؟ کیا معاشرہ کو غلط بنیادوں پر استوار کرنے کا وہ جرم عظیم جس کا یہ مرتکب ہوتا ہے، ان ''نیکیوں'' کے صدقے میں قابل معافی تصور کیا جا سکے گا؟ اگر میزان کے ایک پلڑے میں یہ نیکیاں رکھی جائیں اور دوسرے پلڑے میں اس کا وہ جرم، تو سوچئے کہ ان میں سے کون سا پلڑا بھاری ہوگا؟ ہماری بھول یہ ہے کہ ہم اس قسم کی انفرادی نیکیوں کو بہت بڑے ثواب کا کام سمجھتے ہیں اور اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ وہ اصول و مبانی کیا ہیں جن کے مطابق انسانوں کی ہیئت اجتماعیہ کی تشکیل ہوتی ہے۔ اصل شئے، وہ نظام ہے جسے انسان قائم کرتا اور اس کے اندر زندگی بسر کرتا ہے۔ اگر وہ نظام صحیح ہے تو اس کے اندر اس قسم کی انفرادی نیکیاں انسانیت ساز نتائج مرتب کرتی ہیں اگر وہ نظام ہی باطل کی تخریبی بنیادوں پر استوار ہے تو اس میں افراد کی اس قسم کی نیکیاں اس جرم کا کفارہ نہیں بن سکتیں جو انسانیت کا گلا گھونٹنے کے لئے روا رکھا جا رہا ہے۔

قرآن کریم یہودیوں کے متعلق کہتا ہے کہ انہوں نے نظام زندگی ایسا قائم کر رکھا تھا جس میں خود ان کے اپنے افراد ایک دوسرے کا گلا کاٹتے تھے اور بالادست لوگ کمزوروں اور ناتوانوں کو ان کے گھروں سے نکال باہر کرتے تھے۔ اس کے بعد جب ان لوگوں کو دوسرے لوگ قید کر لیتے تھے تو یہ فدیہ دے کر انہیں چھڑاتے تھے اور اسے بڑا نیکی کا کام تصور کرتے تھے۔ حالانکہ **وھو محرم علیکم اخراجھم**۔ خود ان لوگوں کو گھروں سے باہر نکال دینا سخت جرم تھا۔ اس جرم کے ارتکاب پر تو ان کے دل میں کوئی خلش پیدا نہیں ہوتی تھی لیکن قیدیوں کو چھڑا کر ثواب حاصل کرنے کے لئے وہ آگے بڑھتے تھے۔ اس کے بعد قرآن کریم نے ایک عظیم اصول بیان کیا ہے جو اس باب میں بڑی واضح راہ نمائی دیتا ہے۔ وہ ان سے کہتا ہے **افتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض**۔ کیا تم یہ طرز عمل اختیار کرنا چاہتے ہو کہ ضابطہء خداوندی کے ایک حصہ پر ایمان رکھو اور اس کے دوسرے حصے سے انکار کرو۔ اگر یہی روش جاری رکھنا چاہتے ہو تو سن رکھو کہ **فما جزاء من یفعل ذالک منکم الا خزی فی الحیوۃ الدنیا. ویوم القیمۃ یردون الی اشد العذاب** (۲/۸۵)۔ اس روش کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہوگا کہ اس دنیا میں بھی ذلت و خواری کی زندگی بسر کرو گے اور قیامت میں سخت ترین عذاب میں مبتلا ہو گے۔ آپ نے غور کیا کہ قرآن کریم نے یہاں کس قدر بلیغ اور بلند اصول بیان کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑانا بہر حال ایک نیک کام ہے جس کا اجر ملنا چاہیئے۔ لیکن قرآن کہتا ہے کہ انسانیت پر ظلم کرنے والے غلط نظام کے اندر اس قسم کی انفرادی نیکیاں موجب ثواب نہیں بن سکتیں۔ اس جرم کا سیلاب، اس قسم کی جزئی ''مرمتوں'' کو بہا کر لے جاتا ہے اور اس تمام عمل کا کلی

نتیجہ تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

اس قسم کی غلط ذہنیت قریش مکہ کی تھی جس کی طرف ان کی توجہ مبذول کراتے ہوئے ان سے کہا گیا کہ **اجعلتم سقایة الحاج وعمارة المسجد الحرام کمن امن باللہ والیوم الاخر وجاھد فی سبیل اللہ**۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ حاجیوں کو پانی پلانے کے لئے سبیلیں لگا دینا یا خانہ کعبہ کی تعمیر و تزئین کے کاموں میں حصہ لینا اس شخص کے اعمال کے برابر ہے جو صحیح نظام زندگی کی ابدی حقیقتوں (ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت) پر یقین رکھتا ہے اور پھر اس نظام کے قیام اور استحکام کے لئے مسلسل جدوجہد کرتا رہتا ہے؟ تم اپنے ذہن سے کچھ ہی کیوں نہ فیصلہ کرلو۔ **لا یستون عنداللہ**۔ میزان خداوندی میں ان کا وزن برابر نہیں ہو سکتا۔ غلط نظام قائم کرنے والے اس قسم کے انفرادی نیک کاموں کے باوجود ظالم کے ظالم رہتے ہیں اور خدا کا قانون یہ ہے کہ ظلم کرنے والوں پر نجات و سعادت کی راہیں کبھی کشادہ نہیں ہوتیں۔ **واللہ لا یھدی القوم الظالمین (۹/۱۹)**۔

ہمارا خیال ہے کہ ان مختصر سی توضیحات سے یہ حقیقت آپ کے سامنے آگئی ہوگی کہ ''کافر'' کے نیک اعمال میزان خداوندی میں وزن کیوں نہیں رکھتے! جو شخص کسی مملکت کے خلاف بغاوت کے لئے اٹھ کھڑا ہو' وہ ذاتی طور پر کتنا ہی اچھا شہری کیوں نہ ہو اس کی یہ انفرادی خوبیاں جرم بغاوت کا کفارہ نہیں بن سکتیں۔ کفر' درحقیقت نظام خداوندی کے خلاف بغاوت کا نام ہے۔۔۔ خواہ وہ بغاوت عملی ہو یا ذہنی (اعتقادی)۔

باقی رہا یہ کہ مسلمان' بغیر نیک اعمال کے بھی جنت میں چلا جائے گا تو یہ ''حدیث بے خبراں'' ہے۔ جس کا حقیقت سے کچھ تعلق نہیں۔ جنت تو نام ہی اعمال کے فطری نتائج کا ہے۔ **وتلک الجنة التی اورثتموھا بما کنتم تعملون۔ (۴۳/۷۲)**۔ البتہ اس ضمن میں دو ایک بنیادی باتوں کا سمجھ لینا ضروری ہے۔

(۱) اگر کہیں صحیح قرآنی نظام قائم ہے۔۔۔ یا اس کے قیام کے لئے جدوجہد جاری ہے تو اس میں اگر کسی سے سہواً اور خطاءً کوئی چھوٹی موٹی لغزش ہوگئی ہے اور وہ اس پر نادم ہو کر آئندہ اس سے محتاط رہتا ہے تو اس کے اعمال حسنہ کا پلڑا بھاری رہے گا۔

(۲) اگر مسلمان بھی غیر قرآنی نظام پر رضامند ہو چکا ہے تو اس نظام کے اندر اس کی انفرادی نیکیاں وہ نتائج مرتب نہیں کر سکتیں جن کا نتیجہ جنت کی زندگی ہوتا ہے۔ ہم (مسلمان) صدیوں سے اس غلط ذہنیت کا شکار ہیں جن کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں نیک لوگوں کی نیکیاں بھی کوئی نیک نتیجہ مرتب نہیں کرتیں۔ یہی وہ غلط ذہنیت ہے جس کی اصلاح کے لئے قرآن کریم نے واضح الفاظ میں کہا تھا کہ

نیکی یہ نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق کی طرف کرتے ہو یا مغرب کی طرف۔ نیکی تو اس کی ہے جو

(i) خدا پر۔ آخرت پر۔ ملائکہ پر۔ کتب خداوندی پر اور انبیاء پر ایمان رکھتا ہے۔ (یعنی ان اصولوں پر جو نظام خداوندی کی بنیاد بنتے ہیں)۔

(ii) مال اور دولت کی محبت کے باوجود' اسے ضرورت مند قریبیوں۔ یتیموں۔ مسکینوں۔ نادار مسافروں۔ محتاجوں کے لئے دے دیتا ہے۔ نیز دوسروں کی غلامی کی زنجیروں سے آزاد کرانے کے لئے۔

(iii) جو نظام صلوٰۃ و زکوٰۃ قائم کرتا ہے۔

(iv) جو اپنے عہد کا پابند ہوتا ہے (اور اس عہد میں بنیادی حیثیت اس عہد کی ہوتی ہے جو اس نے اپنے خدا سے کر رکھا ہوتا ہے اور جس کی رو سے اس نے اپنا مال اور جان خدا کے ہاتھوں بیچ دیا ہوتا ہے۔ (۹/۱۱۰)

(v) جو ان مصائب و مشکلات میں جو اس راہ میں اسے درپیش ہوں' ثابت قدم رہتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے دعویٰ ایمان کو سچ کر دکھاتے ہیں اور یہی ہیں جنہیں متقی کہا جا سکتا ہے۔ (۲/۱۷۸)۔

نیکی ان لوگوں کی ہے نہ کہ ان کی جو غیر خداوندی نظام پر مطمئن ہو کر بیٹھ جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان کا نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ اور دیگر انفرادی نیکیاں انہیں جنت کا وارث بنا دیں گی۔

آپ نے غور فرما لیا کہ غیر مسلموں کی انفرادی نیکیاں تو ایک طرف' خود ان مسلمانوں کی انفرادی نیکیاں' جو غیر خداوندی نظام پر مطمئن ہوں' میزان خداوندی میں کیا وزن رکھتی ہیں؟ انفرادی نیکیاں نہایت ضروری ہیں۔ لیکن یہ نیکیاں صحیح نتائج پیدا ہی اس وقت کرتی ہیں جب یہ صحیح قرآنی نظام کے اندر سرزد ہوں۔ غلط نظام میں یہ تعمیر انسانیت کے نتائج مرتب ہی نہیں کرسکتیں۔ دریاؤں اور ندیوں کا میٹھا پانی' انسانوں اور حیوانوں کے لئے زندگی بخش اور زمین مردہ کے لئے حیات آور ہوتا ہے لیکن وہی پانی سمندر کے اندر پہنچ کر اپنی تمام زندگی بخش صلاحیتیں کھو دیتا ہے۔ دہی کے برتن میں جتنا دودھ جی چاہے ڈالتے جایئے۔ سب دہی بنتا جائے گا۔۔ قرآنی نظام۔۔ یا اس نظام کے قیام کے لئے جدوجہد۔۔ اور اس کے ساتھ اخلاقی نیکیاں۔ یہ ہے وہ پروگرام جسے قرآن ''ایمان اور اعمال صالح'' کی جامع اصطلاح سے تعبیر کرتا ہے اور جس کا لازمی نتیجہ اس دنیا اور اس کے بعد کی زندگی دونوں میں جنت کی وراثت ہے اور یہ پروگرام قرآن کے علاوہ اور کہیں نہیں مل سکتا۔

۲۵ سالہ تجربہ کار

پیپلز کلیرنگ ایجنسی

کسٹم ھاؤس سے منظور شدہ

کلیرنگ اینڈ فارورڈنگ ایجنٹ

کلیرنگ اور فارورڈنگ کے معاملات میں ایک قدم آگے

ہمارے ۲۵ سالہ تجربہ سے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ فائدہ۔

ھم آپکی خدمت کیلئے ھمہ وقت تیار ھیں۔

۵۔ وقار سینٹر، فرسٹ فلور رام بھارتی اسٹریٹ، جوڑیا بازار۔ کراچی

فون: ۲۴۲۶۱۲۸
۲۴۲۱۰۴۵-۲۴۲۷۵۳۷

فیکس نمبر :۔
ٹیلیکس: ۲۱۰۴۳ BTC PK

cm 6662
29/7/..

روزنامہ نوائے وقت کی نظر میں

مذہبی اور سیاسی فرقہ بندی «قرآن حکیم کی روشنی میں»

مذہبی اور سیاسی فرقہ بندی ایک ایسا موضوع ہے ایک طرف جو اس وقت ہمارا بے حد حساس قومی مسئلہ ہے اور دوسری طرف عصر حاضر میں یہ مسئلہ عالم اسلام کو بھی درپیش ہے اور نہ صرف اتحاد امہ کو پارہ پارہ کر رہا ہے بلکہ مخالفین اسلام کو مسئلے سے اپنے مذموم فوائد سمیٹنے کے مواقع بھی افراط سے فراہم کر رہا ہے۔ محمد اشرف ظفر صاحب نے اس مسئلہ کو قرآن حکیم کی روشنی میں سمجھنے اور پھر اس کا فکری تجزیہ کرنے کی بھی سعی کی ہے۔ انہوں نے یہ مثبت نتیجہ نکالا ہے کہ قرآن حکیم کی صحیح تعلیم اور اس پر خلوص مندانہ عمل مذہبی اور سیاسی فرقہ بندی کا استیصال کر سکتا ہے اور پھر وہ نظام حیات تشکیل پا سکتا ہے جو معنوی اور عملی طور پر اسلامی نظام حیات ہوگا۔ محمد اشرف ظفر نے اس کتاب کی تحقیقی اساس میں "پاکستان" کو بالخصوص پیش نظر رکھا ہے اور قوم کو علامہ اقبال کے خطبہ الہ آباد کی طرف متوجہ کر دیا ہے جو کفرستان ہند میں نظام قرآنی کی ایک ضوفشاں کرن تھی لیکن جس کی معنویت کی طرف اب تک عملی توجہ نہیں دی گئی۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا:

"ہمارے لئے کشادگی کی ایک راہ ہے اور وہ یہ کہ آئینہ اسلام پر غیر اسلامی رنگ کی جو سخت اور درشت تہیں جم گئی ہیں اور جس کی وجہ سے اس کا حرکیاتی اور ارتقائی نظریہ یکسر جامد ہو کر رہ گیا ہے۔ انہیں کھرچ کھرچ کر الگ کر دیا جائے اور حریت، سالمیت اور مساوات کی حقیقی اقدار کو از سر نو زندہ کر کے ان کی بنیادوں پر اپنے اخلاقی، عمرانی اور سیاسی نظام کی تشکیل جدید کی جائے جو حقیقی اسلام کی سادگی اور آفاقیت کا آئینہ دار ہو"

یہ کتاب دراصل فرمودہ اقبال کی تشریح و توضیح میں بہت معاونت کرتی ہے۔ قرآن حکیم اور فقہ اسلامی کے پس منظر میں محمد اشرف ظفر نے اسلامی آئین کی تدوین، علماء کی علمی سطح، سیاسی فرقہ بندی اور دنیا کی حالت زار جیسے موضوعات کو حالیہ پس منظر سے ابھارا ہے یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ فرقہ بندی کے استیصال میں یہ کتاب اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔ اس کا مطالعہ اساتذہ اور سیاسی رہنماؤں کے علاوہ سیاسی کارکنوں اور طالب علموں کو بھی کرنا چاہئے۔ مطالعہ عام کے لئے اس کتاب کا ہر لائبریری میں موجود ہونا بھی ضروری نظر آتا ہے۔ 685 صفحات کی یہ کتاب مکتبہ اخوت الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور سے دستیاب ہے۔ قیمت 400 روپے ہے جو بے حد مناسب ہے۔

تبصرہ: ڈاکٹر انور سدید

قرآن حکیم کے طالب علموں کے لئے خوشخبری

(نایاب) آسان قرآن مجید (نیوز) مع تفسیر القرآن بالقرآن (محدود تعداد میں) از تلمیذ سرسید جناب علی احمد خان دانشمند جالندھری (علیگ)

رعایتی قیمت پر =/200 روپے کی بجائے صرف =/100 روپے میں طلب کریں (علاوہ ڈاک خرچ)

مذکورہ تفسیر کے آخری پارہ کے چند نوٹس ملاحظہ ہوں۔

"سورۃ عبس (آیات 1-16) عام طور پر اس سورۃ کا غلط ترجمہ کر کے اسے پیغمبر ﷺ کی طرف منسوب کیا ہوا ہے۔ درآنحالیکہ یہ تو ایک روحانی اندھے کافر کے لئے ہے۔ مومن اندھے کے لئے نہیں ہے۔ نہ پیغمبر ﷺ نے مومن اندھے کے لئے تیوری چڑھائی نہ پیٹھ پھیری۔ یہ تمام حرکات تو روحانی اندھے کافر کی ہیں۔ سورۃ المدثر میں بھی ایسے ہی روحانی اندھے کافر کی حرکات ہیں۔ دشمن قرآن نے بہت سی جھوٹی روایات بنا بنا کر قرآن حکیم کی روشنی پر سیاہ غلاف چڑھانے چاہے لیکن سورج پر کون سیاہ غلاف چڑھا سکتا ہے"۔

"سورۃ القدر (آیات 1-5) قرآن حکیم کا لیلۃ القدر میں نازل کرنا پس یہ عرب کے تاریک ترین زمانہ کی رات تھی۔ قرآن حکیم کے نزول سے وہ قدر والی بن گئی اور انتہائی تاریک زمانہ طلوع فجر میں تبدیل ہو گیا۔ پس اگر مسلم قوم نے (اصل) شب قدر دیکھنی ہے تو قرآن حکیم کے سورج کو دنیا پر طلوع کرے"۔

"سورۃ الفیل آیات (1-5) پس مکہ معظمہ کے دانائے کار جرنیل حضرت عبدالمطلب نے اپنے ہمراہ تمام اہل مکہ کو لے کر جس کا ہر فرد ایک جانباز سپاہی تھا مکہ کی پہاڑیوں پر چڑھ گئے اور اصحاب فیل پر اچانک ایسا سخت جوابی حملہ کیا کہ ہاتھیوں نے اپنی فوج کو خود ہی روند ڈالا۔ پھر کیا تھا نہ ابرہہ اور نہ اس کی فوج کا ایک فرد زندہ بچ کر نکل سکا۔ سورۃ یٰسین کی آیات 14 تا 30 دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی گمراہ قوم کو عذاب دینے کے لئے بھی آسمان سے لشکر نہیں اتارے اور نہ وہ اتارنے والا ہے"۔

قرآن کے اثر کو روک دینے کے لئے
ہم لوگوں پہ راویوں کا لشکر ٹوٹا

اکبر الہ آبادی

علامہ اسلم جیراجپوری کی خوبصورت اور فکر انگیز کتاب **ہمارے دینی علوم** (علم تفسیر، تفسیر بالروایت، علم حدیث، علم فقہ)

قیمت 75 روپے (علاوہ ڈاک خرچ)۔

☆ ملنے کا پتہ ☆ مکتبہ اخوت، الکریم مارکیٹ، سیکنڈ فلور، اردو بازار، لاہور۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علی محمد چدھڑ

تصوف کی بھول بھلیاں اور قرآن

پاکپتن کے بہشتی دروازے کا سانحہ ۳۱ مارچ ۲۰۰۱ء کو وقوع پذیر ہوا جس میں اخباری اطلاع کے مطابق بتیس عقیدت منداپنے ہی بھائیوں کے پاؤں تلے آکر جاں بحق ہو گئے اور ایک سو سے زائد زخمی حالت میں مختلف ہسپتالوں میں برائے علاج داخل کرنے پڑے۔ سانحہ کا اصل ذمہ دار کون ہے۔ اس بات کا علم تو جوڈیشل انکوائری کے منظر عام پر آنے سے ہی ہو سکے گا البتہ دیکھنا یہ ہے کہ اس سانحہ کے ذمہ داران کے خلاف کیا کارروائی ہوتی ہے۔

جہاں تک بہشتی دروازے کا پس منظر اور وجہ تسمیہ کا تعلق ہے تو نمائندہ روزنامہ جنگ نے درگاہ بابا فرید کے سجادہ نشین کی چچی محترمہ فوزیہ بختیار اور غلام فرید چشتی دونوں سے دریافت کیا کہ ''زائرین سمجھتے ہیں کہ دروازے سے گذر کر بہشتی ہو جائیں گے کیا یہ سچ ہے؟ اس پر انہوں نے بتایا کہ بابا فرید نے بہشتی دروازے کے بارے میں نہیں کہا تھا اور نہ بعد میں لکھا پایا گیا کہ جو اس دروازے سے گذرے گا وہ بہشتی ہو جائے گا۔ بلکہ وصال کے بعد ان کے شاگرد حضرت نظام الدین اولیاء اور پھر ان کے بعد آنے والے حضرات نے ایسی رسومات اور بہشتی دروازے کے بارے میں بتایا تھا۔ اسی پر عمل ہو رہا ہے۔ بابا فرید کے جنازہ کے بعد حضرت نظام الدین اولیاء نے بتایا کہ جنازہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ شامل تھے اور اسی بہشتی دروازے والی جگہ سے تشریف لائے تھے۔ اس کے بعد دروازہ تیار ہوا اور کہا گیا کہ یہ امن کی جگہ ہے۔ اسی سے گذر کر امن و سلامتی ملتی ہے''

(روزنامہ جنگ مورخہ ۵ اپریل ۲۰۰۱ء)

بہشتی دروازہ کے متعلق ہی اسی تاریخ کی مزید دو اخباری سرخیاں بھی ملاحظہ فرمائیں۔

سرخی نمبر ۱ ''بہشتی دروازہ آج بند ہو جائے گا پانچ لاکھ زائرین گذرے۔ آج مزید دو لاکھ زائرین گذریں گے۔ بابا فرید کے مزار کو کئی من عرق سے غسل دیا جائے گا''

(روزنامہ جنگ ۵ اپریل ۲۰۰۱ء)

سرخی نمبر ۲ ''عرس بابا فرید کے انتظام کے لئے قرض لینا پڑتا ہے۔ درگاہ کا انتظام اور تمام وسائل محکمہ اوقاف نے ۱۹۶۱ء میں سنبھالے اور غلام قطب سجادہ نشین تھے۔ ان کے بعد دیوان مودود اور ان کے چچا دیوان بختیار میں سجادہ نشینی پر مقدمہ بازی ہوئی۔ دیوان مودود کے بھائی عظمت چشتی کے اختلافات بتدریج کم ہو گئے۔ یہ دونوں سوتیلے بھائی ہیں۔ عظمت چشتی کے ماموں غلام محمد مانیکا۔ نواز شریف کے دور میں سیاسی افق سے دور ہٹتے گئے۔ سانحہ پاکپتن ہماری چپقلش کا نتیجہ ہے۔ شمالی دروازہ صرف رسمی دروازہ ہے۔ (دیوان بخاری، موجودہ سجادہ نشین دیوان مودود کے چچا' روزنامہ جنگ ۵ اپریل ۲۰۰۱ء)

روزنامہ جنگ کا یہ اقتباس Self Explainatry ہے اور کسی مزید وضاحت کی ضرورت نہیں رہتی۔ درگاہ کا تقدس دو باتوں سے قائم ہے۔ ایک تو جناب نبی کریمؐ کا بمع صحابہ کرامؓ باباجی فرید الدین کے جنازہ میں شامل ہونا اور دوسرے ان کی اس شمولیت کی وجہ سے بہشتی دروازے کے

عقیدے کا جواز قائم کرنا۔ دونوں صورتوں کے راوی جناب نظام الدین اولیاء بابا جی کے شاگرد بتائے جاتے ہیں۔ جنہوں نے 'راحت القلوب' میں بابا جی کے ملفوظات مرتب فرمائے تھے۔ نمونہ کے طور پر ان کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں لکھتے ہیں ''ایک مرتبہ فرمایا کہ شیخ جلال الدین رومی کبھی روم میں نماز نہ پڑھتے تھے۔ جب نماز کا وقت آتا آپ غائب ہو جاتے۔ آخر معلوم ہوا کہ آپ شرعاً و تعظیماً خانہ کعبہ میں نماز پڑھتے ہیں۔'' بہر حال ایسے محیر العقول عقائد جب قرآن کی روشنی میں زیر بحث لائے جائیں تو درست ثابت نہیں ہوتے۔ قرآن نے دلیل کو سچائی کی علامت قرار دیا ہے۔ لیکن یہاں تو نہ دلیل ہے نہ وکیل۔ بس حضرت صاحب کی زبان سے جو نکلا سند ہو گیا۔ مثلاً حضور نبی کریمؐ کا بابا جی کے جنازہ میں شامل ہونا ایک وضعی عقیدہ ہے۔ لیکن ہمارے مشائخ کا اصرار ہے کہ اسے سچ تسلیم کیا جائے۔ قرآن کہتا ہے کہ اگر تم سچے ہو تو اس کے لئے کوئی دلیل لاؤ۔ ہماری پیشوائیت کی کامیابی کا راز اس میں ہے کہ لوگ آنکھیں بند کر کے ان کی باتوں کو تسلیم کریں۔ جو کہ ممکن نہیں۔ دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ یہاں بھی قرآن سے راہ نمائی لی جائے وہ کہتا ہے کہ: (مفہوم) ''جذبات کی رو میں بہہ جانے کی بجائے ہر قدم غور و خوض کے بعد اٹھایا جائے۔ یہاں تک کہ جب ان کے سامنے قوانین خداوندی بھی پیش کئے جائیں۔ تو وہ ایسا نہیں کرتے کہ علم و بصیرت اور عقل و فکر کو بالائے طاق رکھ کر محض جذباتی طور پر ان پر گر پڑیں۔ وہ انہیں بھی اندھے بہرے بن کر اختیار نہیں کرتے۔ سوچ سمجھ کر اختیار کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ لوگ جب قوانین خداوندی پر بلا سوچے سمجھے عمل نہیں کرتے تو زندگی کے دوسرے معاملات مثلاً ایسے بے سند عقائد پر فیصلے اور عمل بے سوچے سمجھے کیسے کریں گے'' القرآن (۲۵/۷۳)

سورۃ الاحزاب میں بھی قرآن کی یہ راہ نمائی بڑے اچھوتے انداز میں سامنے آتی ہے۔ مثلاً وہ کہتا ہے ''انسانوں کی اکثریت کا یہ عالم ہے کہ مہذب اقوام ہوں یا جاہل بادیہ نشیں وہ زندگی جہنم میں گذارتے ہیں یعنی سینے میں دل رکھتے ہیں لیکن اس سے سوچنے سمجھنے کا کام کبھی نہیں لیتے۔ ان کی آنکھیں بھی ہوتی ہیں لیکن ان سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے۔ وہ کان بھی رکھتے ہیں۔ لیکن ان سے سنتے نہیں۔ یہ لوگ انسان نہیں بالکل حیوان ہوتے ہیں۔ بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گزرے۔'' (۷/۱۷۹)

''ان لوگوں کی تو یہ حالت ہے کہ زندہ انسانوں ہی سے نہیں بلکہ مردوں تک سے اپنی مرادیں مانگتے ہیں اور انہیں شریک خدائی سمجھتے ہیں'' (۱۶/۲۱) ان کے خیال میں بزرگان تصوف وفات کے بعد بھی زندہ اور موثر رہتے ہیں۔ شائد اس خام خیالی میں انہوں نے حضور نبی کریمؐ سے جنازہ میں شمولیت کا وضعی واقعہ منسوب کیا ہے تا کہ خانقاہی مفاد کو ترقی ملے اور مالی معاملات میں وسعت پیدا ہو جائے۔ لیکن یہاں درگاہ کے مفادات عاجلہ کے برعکس متولی حضرات سے عاجزانہ گزارش ہے کہ جس طرح ہمارے مہربانوں نے بہشتی دروازے کے مسلک کو بے بنیاد تسلیم کر لیا ہے تو صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے حضورؐ کا جنازہ میں شامل نہ ہونا بھی مان لیں۔ یقین کریں آپ کے اس عمل پر حضورؐ کے اسوہ حسنہ کی مہر ثبت ہو جائے گی۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ کی شان کریمی کی موج بے پایاں سے ہمارے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں۔

کچھ تو ہم اپنے ضمیروں سے بھی کر لیں مشورہ
گرچہ رہبر---معتبر تیرا بھی ہے میرا بھی ہے

یہاں ایک غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے۔ اگر آپ اپنی عقیدت سے متاثر ہو کر حضورؐ سے عجیب و غریب واقعات منسوب کریں گے تو اس سے ان کے درجات اور قدر و منزلت میں اضافہ نہیں ہوگا۔ بلکہ ہو سکتا ہے ہم الٹا اپنے گناہوں میں اضافہ کر بیٹھیں۔ حضور نبی کریمؐ کے سعی و عمل کا دائرہ اس بچگانہ مقام سے بہت بلند اور وسیع ہے جو ہم انہیں جنازہ میں شامل کر کے دے رہے ہیں۔ حضورؐ کی عظمت اور مقام کو دیکھ کر بڑے بڑوں کی نظریں جھک جاتی ہیں۔ وہ اخلاق و کردار کے بلند ترین مقام پر فائز تھے اور اس باب میں ان کی زندگی ہم سب کے لئے بہترین نمونہ ہے۔ اور یہی زندگی ان کا سب سے بڑا

معجزہ تھا جو انہوں نے دعوئ نبوت سے قبل صداقت کی دلیل کے طور پر مخالفین کے سامنے پیش کر دیا۔ حضور کا دائرہ کا حدود فراموش ہے۔ اللہ نے برھان کے طور پر فرما دیا کہ (اے رسول) تو عالم انسانیت کو پکار کر کہہ دے کہ میں تم سب کی طرف خدا کا رسول ہوں (۱۵۸/ ۷) گویا آپ کسی خاص قوم اور ملک کے لئے نہیں بلکہ تمام عالم انسانیت کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ حکیم ہے۔ اس لئے اس نے کتاب (ضابطہ قوانین دیا تو ان قوانین کی حکمت بھی خود واضح کر دی۔ یہ دونوں منزل من اللہ ہیں اور قرآن کریم کے اندر محفوظ۔ مقصد اس سے یہ ہے کہ جب ہم ان قوانین کی اطاعت کریں تو ساتھ کے ساتھ اسے چیک بھی کرتے جائیں کہ اس سے وہ مقصد حاصل ہو رہا ہے یا نہیں۔ جسے ان کی غرض و غایت بتایا گیا ہے۔ اگر ایسا ہو رہا ہے تو ان قوانین پر ٹھیک عمل ہو رہا ہے۔ اگر ایسا نہیں ہو رہا تو کہیں غلطی ہے۔ اسے درست کر لینا چاہئے۔ مثال کے طور پر بہشتی دروازہ کو ہی لے لیں اس کا مقصد کیا ہے اور وہ کس حد تک پورا ہوا ہے۔ لوگ ہدایت پا گئے ہیں یا پہلے سے بھی زیادہ گمراہ ہوئے ہیں۔ مزید برآں نیک اعمال کی غایت دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں جنت کا حصول ہے۔ آخرت کی جنت تو ہمارے شعور میں نہیں آ سکتی۔ کیا دنیا کی بہشت ہمیں مل گئی ہے۔ آپ تسلیم کریں گے کہ ان تمام صورتوں کا جواب نفی میں ہے۔ خانقاہ کا دوسرا مسلک حضور نبی کریمؐ کی پاکپتن میں آمد اور بابا جی کے جنازہ میں شمولیت ہے۔ کیا اس کی غرض و غایت تسلی بخش ہے۔ ان کی آمد کا مقصد امن اور سلامتی تھا۔ لیکن پچھلے دنوں جو عرس کے موقع پر سارے پاکپتن نے زندگی اور موت کا جو دل خراش رقص دیکھا۔ اسے فراموش کرنا بہت مشکل ہے۔ کیا آپ کو اس خیالی عقیدہ سے امن و سلامتی کے حصول کے لئے کچھ مدد مل سکتی ہے۔ یقیناً نہیں اور یہی اس کا صحیح جواب ہے۔ سجادہ نشینوں کی باہمی کش مکش تو آپ خود تسلیم کر چکے ہیں۔ کیا یہ امن و سلامتی اور دین خداوندی کی راہ ہے۔ اللہ کے فرمان کے مطابق آپ سوچیں اور اپنے جذبات سے الگ ہٹ کر سوچیں۔ غور و فکر کریں۔ اگر آپ نے خالی الذہن ہو کر سوچنے کی کوشش کی تو آپ خود بخود صحیح نتیجہ پر پہنچ جائیں گے۔ ۳۱ مارچ ۵ محرم کی رات درگاہ بابا جی پر جو بھگدڑ مچی' ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ زائرین کی تعداد میں کافی حد تک کمی آ جاتی۔ لیکن توقع کے برعکس حیرانی کی حد تک سات لاکھ سے بھی زائد زائرین بہشتی دروازہ سے گذرے۔ حالانکہ قبل ازیں درگاہ کے متولیوں نے اعلان کر دیا تھا کہ بابا فریدالدین نے یہ کبھی نہیں کہا تھا کہ جو اس دروازے سے گذرے گا بہشتی ہو جائے گا۔ اس کے بعد اصولی اور قانونی طور پر بھی بہشتی دروازے کا تقدس قائم نہیں رہتا۔ درگاہیں کاروباری شکل اختیار کر چکی ہے۔ جس پر سجادہ نشینوں اور محکمہ اوقاف کی باہم کھٹ پٹ مستقل حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ ان حالات میں درگاہ کے متولی اور مشائخ کسی قیمت پر بھی اس کے تقدس میں فرق نہیں آنے دیں گے۔ کیونکہ یہ ان کے مفاد کا تقاضا ہے' اسی کی وجہ سے وہ معاشرے اور سیاست میں مقام پاتے ہیں اور عام توہم پرست لوگوں میں بلند مذہبی مقام بھی حاصل کرتے ہیں اور مالی فائدہ اس پر مستزاد۔

متعلقہ حضرات اس کی خود ساختہ کرامات میں نت نئے اضافہ کی سوچ میں مگن ہیں۔ پچھلے حج کے موقع پر ایک عمر رسیدہ عورت اپنے گروپ کے افراد کو بتا رہی تھی کہ پانچ دفعہ بہشتی دروازہ سے گذرنے پر ایک حج کے برابر ثواب مل جاتا ہے۔ میں چار دفعہ بہشتی دروازے سے گذر چکی ہوں اگر ایک بار اور مجھے موقع مل گیا تو اس حج سمیت میرے دو حج پورے ہو جائیں گے (شائد اس بار یہ پورے ہو گئے ہوں)۔

ان حالات میں ہمارے قارئین بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جب درگاہ سے وابستہ مالی مفاد اور عقائد اتنے ہی عزیز ہوں تو ۳۱ مارچ کو ہونے والے واقعات کے متعلق تردیدی اعلانات سبھی مل کر بھی خانقاہ مذکور پر عقیدت کے اظہار اور چڑھاووں کے سیلاب کو نہیں روک سکتے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ اس سلسلہ میں چڑھاوے دینا اور لینا دونوں عمل قرآن کی روشنی میں خلاف اسلام ہیں لیکن ہمارے مشائخ

حضرات کسی مصلحت وقت کے تحت چپ ہیں اور اس چپ میں کونسی مصلحت ہے۔ یہ قرآن کی زبانی سنئے۔

فرمایا۔ ''اے ایمان والو! بے شک علماء و مشائخ میں اکثر کی یہ حالت ہے کہ لوگوں کا مال ناحق طریقہ سے کھا جاتے ہیں اور اللہ کی راہ (قرآن) سے روکتے ہیں۔ اور وہ جمع کر کے رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ انہیں خوش خبری سناؤ دردناک عذاب کی'' (۹/۳۴)۔ ''جس دن وہ تپایا جائے گا جہنم کی آگ میں۔ پھر اس سے داغیں گے۔ ان کی پیشانیاں۔ کروٹیں اور پیٹھیں۔ یہ ہے وہ جو تم نے اپنے لئے جوڑ کر رکھا تھا۔ اب چکھو مزہ جوڑنے کا'' (۹/۳۵)

آج کل ہمارے اعصاب پر تصوف اس حد تک چھا چکا ہے کہ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے اور کچھ سوجھتا ہی نہیں۔ اس کے لئے آپ اسی دن کے روزنامہ 'جنگ' میں یہ سرخی (فوٹو کے ساتھ) ملاحظہ فرمائیں ''بھٹو کی برسی پر پیپلز پارٹی کے راہنماؤں کی داتا دربار حاضری۔ چادر چڑھائی۔ ایصال ثواب کے لئے دعا کرائی۔ نیاز بھی بانٹی گئی۔''

(جنگ مورخہ ۵ اپریل ۲۰۰۱ء)

اسی تاریخ اور اسی روزنامہ کی ایک دوسری سرخی۔ اقتباس پیش خدمت ہے۔ ''گورنر نے مزار داتا گنج بخش کو عرق گلاب سے غسل دیا۔ سیکیورٹی کے سخت انتظامات۔ عملے اور صحافیوں کے درمیان تلخ کلامی۔ کیمرہ چھین لیا گیا۔ گورنر کی واپسی کے بعد۔ دھکم پیل۔ متعدد افراد جنگلا توڑ کر مزار میں داخل ہو گئے۔ (روزنامہ جنگ ۵ اپریل ۲۰۰۱ء)

اگر بفرضِ محال علامہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ ایک بار زندہ ہو کر ان اخباری سرخیوں کو پڑھیں تو ایک دفعہ ضرور ششدر رہ جائیں کہ کیا یہ کچھ ہمارے پاکستان میں ہو رہا ہے۔ جسے قرآنی نظام کی تجربہ گاہ بننا تھا اور جس کی برکات کو بطور ماڈل دیکھ کر مسلمانوں کی دیگر مملکتوں کو بھی ایسے قابل رشک نظام کو اپنے ہاں بھی رائج کرنے پر آمادہ کرنا تھا لیکن افسوس اس نصف صدی سے زائد عرصہ میں نہ تو اسلامی نظام رائج ہوا اور نہ ہی مسلمانوں کی کسی اور مملکت نے اس کی طرف توجہ کی۔ اس کے بجائے ہوا کیا؟ ہمارے راہنما مزاروں کے پتھروں کو غسل دینے میں لگے ہوئے ہیں۔ درگاہوں اور درباروں پر حاضری ایک مقدس فریضہ کی شکل اختیار کر گئی ہے۔ ریشمی چادروں کا چڑھاوا نیاز وغیرہ کی تقسیم افضل ترین عمل میں شمار ہو رہی ہے اور ہم اندھے اور بہرے بن کر تقلید اًبنا سوچے سمجھے ان پر عمل پیرا ہیں۔ ہم نے کبھی اپنے ان خود ساختہ عقائد کا جائزہ نہیں لیا۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہم دین و دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے محروم ہو کر غلامی، مفلسی اور فرقہ بندی کے خلفشار کے بعد اب قبر پرستی کی طرف گامزن ہیں۔

قائداعظمؒ کا فرمان

''ہمارے ملک میں اس وقت دو قسم کے لوگ موجود ہیں ایک طبقہ پاکستان کو سیکولر ریاست بنانے کا حامی ہے اور دوسرا طبقہ پاکستان میں روائتی اسلام کا نظام برپا کرنا چاہتا ہے۔ میں ذاتی طور پر صحیح اسلامی نظام کا دیانتداری سے خواہش مند ہوں۔ پاکستان کے علاقوں میں ہم اس قابل ہوں گے کہ اسلام کے ترکے اور اپنے تہذیب و تمدن کی نگہبانی دوسروں کی مداخلت کے بغیر کر سکیں۔''

CM 6282
18/10/24

تفسیر

میزان القرآن

یعنی

اس حقیقت کے اظہار میں کہ لغت، ادب، گرائمر، لسانیات اور اصناف سخن اور مفاہیم کے جس زاویہ سے بھی قرآن محکم کا جائزہ لیجیے جہاں تک انسانی فہم کی رسائی کا تعلق ہے تو اس میں نہ کوئی ادبی خامی ہے نہ لسانی سقم نہ محاوراتی کمزوری اور نہ ہی مفاہیم کا بحران ایسے میں ہمارے کج فکر مفسرین

کا مفاہیم کو گیند کی طرح اچھالنا ایک بہت بڑا سانحہ ہے اتنی بڑی جسارت تو ان لوگوں نے بھی نہیں کی جن کے شعر وادب اور انکی شعری نزاکتوں کو چیلنج کرنے کیلئے قرآن مقابل میں آیا تھا اور انھوں نے اپنی زبان ہونے کے ناطے سے قرآن کو یقیناً اور ہر زاویہ سے کھنگالا ہوگا۔ مگر انہیں کہیں تضاد نظر آیا نہ لسانی سقم نہ مفہوم کی خامی نہ فصاحت و بلاغت کے معیار میں ناپختگی تو پھر یہ راز اہل عجم پر کیسے منکشف ہوئے؟ ہم نے کتاب ہذا میں مخالفین کی توجیہات کا اس زاویے سے جائزہ لیا کہ ان لوگوں نے اعتراضات کا جو طلسمی ہیکل کھڑا کیا ہے اسکی علمی، ادبی، لسانی اور مفہوماتی کوئی بھی حیثیت نہیں ہے۔ پڑھیے اور قرآن سے انصاف کیجیے۔

تحریر
رحمت اللہ طارق

ادارہ احیاء اسلامیہ ملتان
1339/3 گلشن آباد بیرون پاک گیٹ ملتان

قیمت -/450 روپے

DARS-E-QURAN

IN ENGLAND

UNDER THE MANAGEMENT OF
BAZM TOLU-E-ISLAM LONDON

Place	Day	Time
76 Park Road, ILford, Essex IGI 1SF	First Sunday of the Month Ph: 020-8553-1896 E-mail: maqbool.farhat@virgin.net	14.30
53 Downlands Drive Southgate West Crawley West Sussex RH11 8QZ	Every last Sunday of the Month *Contact* M. Khalil : Ph: 01293 446258 Or Arshad Mahmood:01293 419 784	14.30
86 Meadowbank Gardens Cranford TW5 9TU Middx	Every 3rd Sunday of the Month Ph:Tariq Aziz: 020-8754-1100 Mobile: 07939 017117	14.30
Ladies Only 72 Herent Drive Clayhall ILford, Essex IG5 OHG	Every last Friday of the Month Ph:Rubina Khawaja: 020-8550-3893 Or Suriaya Farhat:020-8553-1896	12.30

In the midst of second century *hijra*, Imam Umsh and Malik and others did begin a search on these fakes. Then the following, Mu'mr, Hasham, Wst'awhi, Au'zaee, Sufian Sauri, Ibnul Majshoon and Hamad bin Salma, after them Yahya bin Saeed ul Ktaan (died *hijra* 198) and Ibne Mehdi were confirmed Imams. But until their times the knowledge was only oral. In the third century the compilation began, and every narrator was reviewed and their biographical sketches were also collected. During this period we find two famous names, that of Imam Yahya bin Moeen[R] (died *hijra* 23) and Ahmad bin Hanbal[R] (died *hijra* 241). After these personalities this system began to spread and formed into an art, that had hundreds of Imams and thousands of books written on this topic. *(Tog'hee ul Nazr)* As these were all man made written pages, on which there can be no divine witness, hence the contents of *ahadith* came under controversy.

The *hadithists* had hard knocks, as far as outward rituals were concerned. Imam Yahya bin Saeed al Ktaan said, in matters of *ahadith*, one will find no bigger liar than these righteous scholars. Imam Muslim, writes in the introduction of his *Sahih*, that righteous are liable to speak lies inadvertently. It has it in *Tuj'hee ul Nazr*, that Ayub Sukhtiani appreciated knowledge and erudition of his neighbor and his worshipping habits; at the same time he said he would not trust him, even if he stood witness to a single seed of date. For these reasons the criterion of judgement of *ahadith* was based on its fame and popularity. Fame and popularity of even a designated Imam, by the way was questioned in those days. When we read about any Imam, from his contemporaries, we begin to have doubts in our minds. I am copying some sayings from hafiz Ibne Abdul Bur's, *Jama e Biyaan ul Ilm*, on page 196.

"When Abu Hanifa's teacher Imam Hamad bin abi Sulaiman returned from his Meccan journey, to Iraq, he told those people surrounding him, 'O Iraqis! Thanks to Allah[SWT] that I met with scholars of Hijaz. Your children, and your childrens' children have more knowledge than them.' And who were these Hijaz scholars? They were Ataa bin abi Rabah, Ta'aoos, Ak'rma, Mujahida and others were recognized scholars of Islam.

When Hamad's teacher Ibraheem Nukh'ee was mentioned in front of Imam Shay'bee, he said, 'He asks from us at night and in the morning he grants decrees on those statements.' When Imam Ibraheem was told as to what was being said about him, he said, 'Shay'bee is a liar, he narrates borrowed traditions, although he did not hear a word of it.'

(Continue)

****

revoked, those that seemed glaringly false. (quoted from *Tog'hee ul Nazar*) These *ahadith* were testified before being compiled; in other words, they were written along with the names of all those, through which these *ahadith* had traveled to them. After this the system of critique began and also of sifting between right and false *ahadith*.

In this critique *hadith* scholars had two things in mind. The first was its title or preamble and second was the content of *hadith*. To recognize false titles of *ahadith*, these scholars formulated the following principles:

1. That is against reason or common sense.
2. That is against natural laws.
3. That is against circumstances.
4. That goes against the Holy Quran.
5. That goes against history.
6. Any traditions are attributed to Rafzis (dissenters) and Kharijites (those who drifted away from the main stream) against the Ahl-e-Bait (Family members of the Messenger)
7. That promised big rewards for minor deeds or big punishments for filmsy or negligible sins.
8. Many people are explaining the circumstances, but the tradition goes by only one name.

By these conditions, only a few *ahadith* could be sifted. Since those who fabricated *ahadith*, took care of every aspect, so as to give it genuine look. However, the door was left wide open for accommodating all types of *ahadith*. If any *hadith* was found to go against reason or Quran, it was modified and accepted.

Hence these formulations, to put a check on right or wrong *ahadith*, proved futile. The critics therefore, depended more on the contents of *ahadith*. It is also apparent, these critics were not prophets. It was not possible to sift from thousands of *hadith* narrators and counterfeits that were being produced for the last hundred or hundred and fifty years. Neither did these critics have any magic wand by means of which they could detect fake *ahadith*, that exercised tremendous influence on the power holders of those times. The source of detecting counterfeit *ahadith* was *hadith* itself. The criterion of correct and incorrect *hadith*, was based on that tradition, that was received from different sources. During the days of conferees of Messenger, and during the period of *tabaeen*, there were very few counterfeits and fakes. For this reason, there is not much literature on it. Only Imam Shay'bee, Ibne Sireen and Saeed bin Al maseeb have argued about some conferees.

concealed manner. Because of these *ahadith* fabricators and orators, the *hadith* suffered a calamity like nobody's business. They left no department and no stone unturned where they did no fabricate *ahadith* in tune with their own desires. Imam Hanbal[R] says three types of books are totally useless. *Mula'hym* (predictions), *Mughazi* (warfares) and *Tuf'seer* (explanations) {quoted from *Tz'kara tul Mau'zoo'aat}* How many *ahadith* exist in these books, can be imagined from a book by one of the close associates of Imam Hanbal, Abu Zr'a, he had 140,000 *ahadith* in just his *Tuf'seer*. The height of falsification was reached when, leaving aside traditions, even fake conferees of Messenger were devised. In *Tz'kara tul Mau'zoo'aat* on page 102 we read about some of them:

- Jabeer bin Harab—Hafiz Ibne Hajar writes, it was known that he had participated in Khun'dk holy war. Amir Abdul Karim said that along with Imam Nasir, he had the privilege of seeing him in *hijra* 573.
- Abu Abdul Saqli belongs to fifth century *hijra*. It is known about him, he had the privilege of shaking hands with Holy Messenger. Hence people went only to shake hands with him too.
- Qais bin Yatm Gilani—he had a mark on his forehead, they say it was due to a kick he received from Hazrat Ali's mule. *Ahadith* are narrated about him in the beginning of sixth century *hijra*.
- Baba Rattan Hindi—It is known about him, that he participated in Hazrat Fatima's marriage. He lived in Hindustan (India) and died in *hijra* 632. (the actual word used is *rukh'sati*. I am not sure, it means marriage or departing of soul).

These alive conferees were made to stand in the open, and all kinds of traditions were spread in the *Ummah*, from their lips, It has in *Ta'kara tul Mau'zoo'aat* on page 102, Allama Afaq Shehri said, 'Although we do not trust the 'rattaniat,' nevertheless it is a cause of blessing. 'Many people, took the traditions of these fake conferees, and listed them in the source of blessing, in their compilations,' Imam Zuhby revoked all traditions of Baba Rattan, which annoyed Allama Mujjadad ud deen. Allama Safdi put his foot down and stood up against Hafiz Ibne Hijr when he refuted these conversations.

This synopsis must have given you an idea of how powerful and authoritative was the influence of fake *hadith* writers and orators. It is strange to decry, an *Ummah* that was in possession of such an enlightening book like Quran, threw itself in the dark abyss of lies and deceptions.

CRITIQUE ON HADITH

When collectors compiled, they wrote whatever they could gather from the treasure of *ahadith* that was at their disposal. Only a handful of traditions were

compiled books and books, of counterfeit *ahadith*. The names of some of these books are given in *T'zakr tul Mau'zooaat*. The following are some of the causes of these falsifications, given by Allama ibne Jauzy:

1. Some people because of their carelessness, distorted the version.
2. Some scholars lost their memory after taxing their minds, they spike whatever came in their minds.
3. Many trustworthy narrators, because of old age and mental deficiency, spoke of incorrect traditions.
4. Among them were also some, who inadvertently told incorrect traditions. When their mistakes were brought to their knowledge, these people considered it beyond their dignity to do anything about those wrong traditions.
5. The *Ujh'meez* (those people who became Muslims, although inwardly they were against Islam. Their number was not any less during the Abbasid period) made numerous counterfeit and fake *ahadith* that proved destructive to laws of Islam. In their ostensible eulogy, they were proving the *Sha'riah* incorrect, deleting the *ayat* of Quran and showing the character of Messenger as weak.
6. When religious bifurcation commenced, new sects came into existence, like Shiites, Sunnis, Qadris, Jehemy, Muz'jiya, Mo'tzilla et all. Each one of these made-up *ahadith*, that praised their own sect and was against all others.
7. Many good people also made *ahadith* with a good and holy moral in it.
8. Many thought, it was granted to attribute wise adages to Messenger and then have these traditions attested. They practically carried it through. It is written in *Tz'kara tul Mau'zoo'aat* that one *hadithist* gave up this profession in his old age and asked others to scrutinize *ahadith* before accepting them, as people include everything in *Deen* that which suits their temperament.
9. The favourites of Caliphs and Ameers, made traditions and used them as means of getting closer to top officials.
10. Professional orators and story-tellers, attributed various stories to Holy Messenger and made capitol on it.

These above mentioned are the ten main causes, because of which counterfeit and false traditions spread in the *Ummah*. Above all these were those false *ahadith*, that were made by different political parties to capture the hearts of public. These *ahadith* were then spread from East to West, sometimes openly and sometimes in a

Imam Ahmad bin Hanbal[R] and Yahya bin Moeen[R], both of them being the most honored as *hadith* Imams, once went to R'safa block in Baghdad to say their prayers. An orator in a mosque began delivering a speech that he had heard it from Ahmad bin Hanbal and Yahya bin Moeen, who heard from Ma'amr, he heard from Fut'ada, he in turn heard it from Hazrat Ans[R], who heard it from the Messenger, when any man says لا اله الا الله then Allah[SWT] creates a bird from every word that he utters. These birds have golden beaks and wings made of Zammurad. (This story is in twenty pages) After hearing the long story, both of them looked at each other, then Moeen called the orator and asked, as to wherefrom did he hear this *hadith*? He named Yahya bin Moeen and Ahmad bin Hanbal! He told him that he was Yahya and his partner was Ahmad, and that neither of them had ever heard this tradition before. If you had to fabricate, why did you not take somebody else's name. To which he replied, he had heard that Yahya was stupid. They asked him why so? The orator said there are seventeen Ahmad Bin Hanbals and seventeen Yahya bin Moeens. What makes you think, you two are the only ones in this world? After hearing that, both of them walked away!

These speakers and orators were so influential that democrats (meaning government) took them as their leaders and listened to them. It is said, once mother of Imam Abu Hanifa[R] inquired from him about a *hadith* problem. When the Imam provided her with an answer, she simply refused to accept his answer, until the Imam of Kufa mosque did not confirm. After the Imam of mosque confirmed, she believed in his answer.

It has it in Meezan ul Ait'adaal, that Imam Zuhby has copied it from Jaffer bin Hajjaj, that on reaching Mosel, Muhammad bin Abdullah was explaining weird and strange *ahadith*. When scholars came to know about him, a few of them decided to go and check him. He was delivering his heated oratorios, when he saw the scholars coming towards him, he understood the purpose. Abruptly he changed the topic and concocted a tradition from Jabar and said, 'Quran is poetry of Allah, and non-creative." (As was the custom in those days, it was a blind understanding, whosoever admitted that Quran was non-creative, became very famous and after that he was considered beyond critique) Now from the dread of people, the scholars could not dare to question him.

That is why, Dawood also gave up traditions, he said, "I am pained that when I dictate something, people come to me only to find faults in it." Ibne Mz'ra use to say, whenever you see a Sheikh running, it must be understood that *hadith* scholars are after him.

There were hundreds of *hadith* orators who were potential *hadith* fabricators and who spread those *ahadith* in their group. When these orators became less influential, they used the names of trustworthy *hadith* narrators. Some of them considered it a blessing to make *ahadith*. Some of these people went so far out, they

and falsification in them already. As is written in Sahih Muslim, "Basheer bin Ka'ab began to narrate *ahadith* in front of Hazrat ibne Abbas. He did not pay any attention. Basheer asked as to why he did not listen to him? To which he replied, "There was a time when anybody mentioned or talked about the deeds of Messenger we became all ears; ever since people have begun to prattle, we have given up listening to *hadith*.

After the period of conferees of Messenger, psuedo-narrators and narrators increased in abundance. During the times of Banu Umayyah, because of the division between the church and the state, there was no authority over *ahadith* writers. Therefore to concoct and fabricate traditions was now an open field. The Caliphs of *Umayyad* period took *ahadith* more to their advantage for power, as compared with Quran. It was they, who put in vogue the custom to vilify Hazrat Ali openly. Hundreds of counterfeit *ahadith* were written to eulogize Caliph Ameer Mu'awiyya. In the times of Abbasids, every Caliph's prediction was written in *hadith* and eulogized. So much so, they fabricated a *hadith*, that no person has any faith until and unless he does not love Hazrat Abbas and his family. (quoted from *Tog'hee ul Nazr)* During this period *ahadith* were being produced like hot cakes and thousands adopted *hadith* writing and fabricating as their profession. Their only occupation, day and night, was to concoct *ahadith*.

Most of these narrators, because of their oration and story-telling expertise, commanded influence on the public and were looked upon as elderly and august. The Imams of *ahadith* were no comparison to them at all. Zuhby has, in Meezan ul Ait'adaal, copied a statement of Shay'bee, who was in Kufa the biggest Imam of *hadith* from among *tabaeen*, where it is said,

"I was in a mosque one day for my prayers. There was a *hadith* orator in there who was delivering a sermon and saying, 'Allah^{SWT} has created two trumpets. Each of them shall be sounded twice.' I quickly finished my prayers and told the orator to have fear of Allah^{SWT} and cease to narrate fabricated *ahadith*. There is only the mention of one trumpet, in the Quran. He felt onerous and was angry at me, for contradicting him. Soon after everybody there jumped on me and started beating me. Until they did not make me say that Allah has created three trumpets, they did not leave me."

Mulla Ali Qadri has written in *'Mauzoo'aat e Kabir,'* there was someone telling the story of Mahmood, that he shall sit next to Messenger on a throne in the skies. Imam ibne Jareer Tibri opposed this story-teller and on the door of his house, he wrote the words, 'no one shares the throne with Allah.' The people of Baghdad, stoned his house, until his whole entrance to the door was covered with stones.

Translator's Note:- (Perhaps because hadith was ready made material, and to concentrate on Quran needs taxing one's mind, time, energy and fear of rejection)

was not in favor of writing *ahadith,* had it not been for the compulsory orders of these caliphs. (quoted in *Jama e Biyaan ul Ilm).*

Following Imam Zuhri was Jareej from Mecca, Muhammad bin Is'haaq and Malik bin Ans from Medina, Rabi bin Sabeeh and Hamad bin Slma from Basra, Saf'yan Sauri from Kufa, Au'zaee from Syria, Ma'amir from Yemen, Hai'sm from Wasat, Jareer from Rai and Ibn ul Mubarik from Khorasan. All of them who were contemporaries, compiled books of *ahadith.* All these writers belong to second century *hijra.* As far as we know, out of all their books, there is only one book *Muta* of Imam Malik (died *hijra* 179) that is extant. Even in this book, we have three to five hundred *ahadith* in various manuscripts. It has been written, as long as Imam Malik was alive, he froze a few *ahadith* every year. *(Tog'hee ul Nazr)* That is the reason why we observe the difference in the number of *ahadith,* in its various manuscripts.

In early publications, we find the *ahadith* of the Messenger, the sayings of conferees[R] and declarations of *tabaeen*[R] are all together. The later generations began to compile the *ahadith* of Messenger separately. These compilations are named Musnid e Hind. The first Musnid was written in early third century by Abdullah bin Moosa. After him followed, Musdood Basri, Asad bin Moosa, Naeem bin hamad and others. These were followed by the next generations. For example, Imam Ahmed bin Hanbal, Is'haaq bin Rahu'via, Uthman bin abi Shay'ba and others. In the fourth category comes Imam Bokhari[R] (died *hijra* 252), who attempted to compile only the genuine *ahadith.* After him, followed his student Imam Muslim Nishapuri (died *hijra* 261). Both of these scholar's books are named *'Sahiheen.'* Following these books, the writing of *ahadith* became a popular occupation among *hadithists.*

All kinds of *ahadith,* of which there is no number now, came to be written. What needs to be investigated here, is the fact, if *ahadith* were divinely ordained, then Messenger himself and his conferees, would not have categorically prohibited the writing of it. On the contrary they would have made every attempt to preserve the *ahadith.*

HADITH NARRATION

No doubt the Messenger had repeatedly and emphatically stated, "Whosoever tells lies about me, is inviting hellfire." And this saying has been confirmed by so many conferees[R] of Messenger and only for this reason, this *hadith* has been declared authentic *(Muta'watir).* Inspite of saying this, there were some people around at the time who began fabricating false *ahadith.* We read in *Tog'hee ul Nazr* (page 246), people told lies about Holy Messenger even during his lifetime. Even during the days of his conferees (after his soul departed from this earth), we find many hypocrites and atheists.

Besides the presence of hypocrites and atheists, when *ahadith* began to spread, during the times of conferees of Messenger, we do observe a mixture of doubt

to bring them to him. After incinerating all *ahadith*, he proclaimed, 'Are you trying to make the like of Quran?' *(quoted from Th'qaat)* The Jews collection of their Prophet's sayings is called Misnaath

Of the activities of various disciples[R], I am writing from *Jama e Biyaan ul Ilm*, page 33:

"Abdullah bin Ye'saar said, "In a sermon Hazrat Ali[R] told that he took everyone present under oath, to obliterate whosoever has any *hadith*, as previous civilizations, had been annihilated, because they followed the traditions of their learned and forgot about the book of Allah[SWT]!"

Abu Nzra asked Hazrat Abu Saeed Khudri[R] if he could write the *ahadith* that he heard from his lips? He replied, "Do you intend to make manuscripts?"

Caliph Mur'waan once called Hazrat Zaid bin Sabit[R]. When he saw some persons writing down *ahadith*, he said it is quite possible, the tradition may not have been explained to you, in the same way as it has been written.

A collection was brought before Hazrat Abdullah bin Masood[R], that contained *ahadith*. He incinerated them and said, "I beg you for the sake of Allah, whoever has any knowledge of any person in possession of *hadith*, must let me know, so that I may reach him. Those before you with Divine Books, have been annihilated because of this habit. They forgot about the Book of Allah[SWT].

Hazrat Abdullah bin Abbas[R] also prevented others from writing of *hadith*. He warned them that previous nations were destroyed due to these causes. The same was the situation with Hazrat Abdullah bin Omar[R].

After the conferees, the *tabaeen*, for example Allqa, Musrooq, Qasim S'bee, Mansoor, Mugheera and Umsh and others, also did not consider it permissible to write *hadith*."

Imam Au'zaee use to say, "As long as knowledge of *hadith* was oral, it was respected. Ever since it is being written, it has lost its enlightenment and gone in the hands of ignorant." That was precisely why, until the period of *tabaeen* there is no sign of compilation of *hadith* and besides Holy Quran, there was no other book in possession of *Ummah*. Certain things were written only for the sake of knowledge. For example, Hazrat Omar[R] during his caliphate period from *hijra* 99 to 11, had *ahadith* written down from Saeed bin Ibrahim and sent a formal note to Qazi Abu Bakr Khurram of Medina to write the traditions of Umruh, as I fear after her death, this knowledge will go waste. Umruh was in possession of *Um ul Momineen*, Hazrat Aisha's traditions.

The first compiler of *hadith*, according to *Hadithists*, is Imam ibne Shahab Zuhri (died *hijra* 124). It was under their orders that he wrote the *ahadith*. He himself

when there is no fear of Quran being merged, then narration of *hadith* is permitted. This was how, *hadith* was vindicated and the Messenger's mandate to cease writing was prevailed upon. Inspite of the fact, the Messenger had made it imperative and had given no cause for prohibition. Messenger could also have said—do not mingle Quran with *hadith* when writing the two. We do not think this reasoning of *hadithists* is cogent enough. The factual cause was what his conferees had understood, that previous civilizations, deviated from correct paths by writing biographies of their prophets.

Writing of the activities of messengers of God and especially the *ahadith* of Messenger, could have been extremely beneficial and interesting work. Since this entails a psychological dilemma, as after compiling the sayings and deeds of monumental personalities, cultures have granted these human works with divine authority and regressed the significance of actual Divine Books. This was the reason why the Messenger invoked preventive measures.

Hadithists have attempted to bring other traditions in support of their justificatory reasoning. For example, the tradition of Abu Huraira[R] that whatever he listened from the Messenger, he wrote it down. Then Abdullah bin Umru bin Aas is also said to have written down what he heard from the Messenger. In the same way, another *hadith* is quoted of a person called Abu Shah who requested the Holy Messenger if he could write down his sermon of Yemen and the Messenger conceded. But these are included in exceptions. As a general rule, the mandate was not to write down anything else besides Quran; his conferees[R] obeyed his words to their mettle. We also have another *hadith*, when calligrapher of revelations, Zaid bin Sabit had to go to Amir Mua'wiyya. He asked him for a *hadith*, which Zaid explained. The Amir asked a person to write it. Zaid took it from the person who had written the *hadith* and erased it. He said, it was Messenger's orders not to write anything about him. This tradition is present in Abu Daweed's *kitabb ul Ilm*.

In *T'zakr tul Hifaaz*, Imam Zay'bee has written Hazrat Abu Bakr[R] had a collection of 500 *ahadith*. One night he was very perturbed. So he had it brought out in the morning and incinerated them. Obviously, what could have been more close to truth. Actually the thought of any incorrect tradition being included in this collection, prevented his faith from preserving this collection.

In *Jama e Biyaan ul Ilm* it is written of Arwah bin Zubair, who says that Hazrat Omr[R] once thought of compiling the sayings and deeds of Messenger. He even consulted with the conferees about it. After their consent, he prayed to Allah[SWT] and performed *Istekhara* for one month. Finally he decided and told, that previous civilizations destroyed themselves, by adhering to *ahadith* of their holy prophets and forgot the Book of Allah[SWT].

Caliph Hazrat Omar[R] was as much strict in writing *hadith* as he was in narrating it. When *ahadith*, during his caliphate gained in volume, he asked everyone

1. The pen is now dry after writing the fate of all creatures, that have been destined to fortune and ill-fate.

2. The time is fleeting and Allah is creating His creatures one by one.

3. I descry good things are diminishing and *hadith* is on the rise.

4. If it was good it would have diminished like other good things also. I think good is beyond it.

These are the views and opinions of *hadith* Imams and the wise of those days, who had descried the miracle and enigma of Quran. They came to know, *Hadith* was not God revealed. Most of the *hadith* scholars were so overwhelmed by the concept of *hadith* as divinely revealed, it was extremely difficult to get this out of their minds. Therefore to obliterate the thoughts of the few enlightened Imams, they spread the ideas of the blessings and greatness of *hadith.* They also fabricated pseudo *ahadith* to oppose these enlighted minds. Although *Siddique-e-Akbar* (title of Hazrat Abu Bakr[R]), as we have written before, while prohibiting *ahadith* had said that if anybody questions, just tell him, there is the Quran between you and me. Whatsoever it has revoked must be eschewed and whatever it permits, must be consumed. *Farooq-e-Azam* said, "The Book of Allah[SWT] is enough for us!" This tradition opposes those traditions that are against Quran and proves them bogus.

It was because of these contradictory traditions, the Mo'tazilla inundated upon the *hadith* writers and rightly accused them of destroying *Deen* by psuedo-ahadith. They began to call each other athesist, and so the Muslim *Ummah* was being incised into sects. Imam ibne Qutaiba wrote a book on contradicting *ahadith* and attempted to solve this issue.

The edifice of *hadith* that had been shaken by these few scholars was not difficult to bring down for the *hadith* writers. However, *hadith* became so gigantic and powerful that it was now being declared above the Quran. Imam Au'za'ee said that Quran is more dependent on *ahadith* as vice versa. Imam Yahya bin Kaseer said, that *hadith* overcomes Quran and that Quran does not prevail upon *hadith.* When the same thing was mentioned to Imam Ahmed bin Hanbal[R], he replied, "I do not have the audacity to say that, although *ahadith* do explain the Quran. *(quoted from Jama e Biyaan)*

COMPILATION OF HADITH

The Messenger Muhammad[PBUH] had clearly vociferated: "Do not have anything else dictated from me, save the Quran. If anyone of you has written any word other than Quran, you must erase it!" The *hadith* writers could not ostracize this *hadith* of Messenger, at the same time it was uprooting their foundations. Hence *hadithists* came up with a justifying rationale, saying the purpose of prohibition was, meant to save Quran from being amalgamated with other literature. They reasoned,

was he going to sit in the house and run away from *hadith*. He replied that he was no in favor of walking even one step that is against truth.

"When a group of *hadith* students called on Abid ul Harmain, Hazrat Fazeel bin Ayaz (died *hijra* 187), he did not allow them to enter his house. He just stuck his head out of the window, when the students after wishing greetings inquired about his welfare, he replied, "I am very well by the grace of Allah, but in big trouble from you all. Your profession is beginning to corrode religion. انا للله و انا اليه راجعون You people have done away with Quran. If you had begotten that Book, you would have had your peace of mind." The students replied that they had studied and gone through the whole Book. He again advised them, "It is a kind of Book, that will keep you and your coming generations occupied." And then recited the following *ayat*, from the Quran:

يَآيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى الصُّدُوْرِ......(۱۰/۵۷-۵۸).

(10/57-58)

"O People! Among you, is bestoweth by your Rab, advice and peace of mind. It is guidance and mercy for *Momineen*. Tell them to rejoice on this blessing, it is fa better than what you are hoarding."

"Imam Sufyan Sauri[R] (died *hijra* 161) says with pathos and sadness, as t what use is this kind of knowledge. If only we could have broken even, gettin neither hell or heaven. Once he also mentions, if *hadith* was good then why was it no progressing.

"Imam Sha'by said, that before he was pleased to see a *hadith* narrator, an now there is nothing more vile than his face. Once he vociferated to a group of *hadi* narrators: ان هذا الحديث يصم كم عن الصلوٰة Will you quit? As *hadi* stops from remembering Allah and offering our prayers. The interesting part i besides ان هذا الحديث the rest of the sentence is a translation from Quran.

"Imam Saf'yan bin Ain'iyya (died *hijra* 198) often use to say, "I wish, th *hadith* was a basket of broken glasses on my head and fell on the floor to smithereen At least I would have finished with its dealers. Once he mentioned, whoever wants t have enmity with me, I wish Allah would make him a *hadith* narrator. At anoth time, he said to a group of *hadith* seekers, if Hazrat Omar[R] had seen us, he wou have scolded everyone. Just like Imam Shay'bee, he also detested the faces of *had* narrators. He lived in a town called Meel Akhzar, away from the crowd of *had* seekers. He said if *hadith* had been good, it would have decreased instead spreading."

A famous poet of that period has also expressed similar views, when he said

لقد جفت الاقلام بالخلق كلهم — فمنهم شقى خائب و عنيد
تمر الليالى بالنفس سريعة — ويبدى ربى خلقه و يعيد
ارى الخير فى الدنيا يقل كثير — و ينقص نقصا والحديث يزيد
فلو كان خيرا قل كالخير كله — واحسب ان الخير منه بعيد

common sense. Therefore, our conscience is not inclined to accept that these traditions could have belonged to Abu Huraria[R].

After the conferees[R] of Messenger, we enter the period of *tabaeen*[R], this includes the Caliphs of Banu Umayyad whose impact had been stamped on *Ummah* by now. Instead of every living Muslim, having volition of being unique and emancipated, he was one completely tied and shackled to personalized Umayyan government. The whole of Muslim Community was under compulsion and force, turned into a subject race. Anyone could observe an outstanding change in mental attitudes. The intensity of conviction, which existed during the conferees of Messenger's period, was no more visible. The church and state having been divided, the leadership was now with the priests. Therefore, the art of traditions gained in momentum, but that reluctance to accept them, was still to be obliterated. Gradually, over the passage of years, by early second century *hijra,* the compilation of *ahadith* began to take shape; *hadith* narration by now was an established art. The students of *ahadith,* now started to gather around these recognized religious priests to acquire knowledge of *hadith.* When we reach the *Abbasid* period, which began in a hundred and thirty two hijra, there was stupendous influx of *ahadith.* All the Muslim states were flooded with *ahadith* propaganda. This was happening, since the *Caliphs* and *Ameers* became indifferent towards *Deen* and were exhibiting propensities towards being worldly wise. Having no choice, all seekers of truth were pushed towards *hadith* narrators, consequently their authority was glorified. Hence the students of glamour and glitter, began to acquire the profession of *hadith* and by narrating all kinds of *ahadith,* right or wrong, they established their authority on public. The figures of *ahadith,* now ran into hundreds and thousands. Imam Ahmed bin Hanbal[R] has it, the figure for correct *hadith* is over seven hundred thousands *(Tog'hee ul Nazr)* Imam Yahya bin Moeen[R] who is known as *Ameer ul Momineen* of *ahadith,* had twelve hundred thousand *ahadith* in his possession. In the introduction, Sahih Bokhari has it, out of six hundred thousand *ahadith* that Imama Bokhari[R] had in his possession, he has gleaned seven thousand, two hundred and seventy *ahadith* that he surmised as being genuine.

In these very *hadith* scholars, who were occupied with *ahadith* day and night, there emerged some who came to abhor this profession and believed it against their faith. I am narrating a few extracts from Hafiz ibn Abdul bur's (died *hijra* 463) concise edition of *Jama-e-Biyaan ul Ilm-o-Fazal* that states:

"Zhaq ibn Muza'hm (died *hijra* 105) harbingered, that Quran will be hung on top, until it will be covered with cobwebs. No need for it shall be required and people will act upon traditions and *ahadith.* Sulaiman bin Hya'an Azvi (died *hijra* 196) who is descendant of Abu Khalid-al-Ehmr, also says a time will come when, the manuscripts of Quran will be considered futile and people will completely indulge in *hadith* and *fiqa.* Imam Dawood Thai had quit *hadith,* somebody asked as to how long

When Hazrat Mahmood Ansari[R], who was a conferees of Messenger, narrated this *hadith*, "Whoever says لا الہ الا اللہ will never be thrown into hell." Hazrat Ayub Ansari[R] replied, "In the name of Allah! I do not think Messenger could ever have uttered these words." *(Sahih Bokhari—Chapter Salaat ul Nawafil)*

Taking certain traditions to be against the Holy Quran, some of the conferees of Messenger refused to even acknowledge them. For example, the tradition of Fatima bint-e-Qais, that when the divorce is completed, the woman owes nothing to her husband. It was not accepted by Hazrat Omar[R], who said, "How can I accept a woman's statement, as opposed to Quran, who I do not know, has even remembered it correctly or not?"

When Hazrat ibne Omar[R], narrated the tradition of Kaleeb-e-Badar, that even the dead can listen, *Umm ul Momineen* Hazrat Aisha said, "May Allah bless ibne Omar. What I read in Quran is:

إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ○ (۲۷/۸۰)

In the same way, another tradition, that the mourning of relatives is torture for the dead, was brought to the knowledge of *Ummul Momineen*, she said, "This tradition goes against the teachings of Quran. It is written therein:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ (۳۵/۱۸)

'No human shall lift another's burden in afterlife.'

From the above examples, it appears that conferees[R] did not give much significance to traditions. They refused to accept them, either because they were against the Quran or against common sense. Because of these reasons the treasure of traditions was meager among the conferees. Besides that the conferees[R] were more involved in practical life. The holy wars, discussions and explanations on Quran and all these practical matters, kept them so busy, they hardly had any time left to sit down and gossip idly among themselves. From these observations, there is every likelihood, all those traditions attributed to names of conferees[R], belong to Post-Muhammadan era, when *ahadith* narrating had developed into an art. It was not possible, at a later period, to access the activities and sayings of Messenger directly, so every *hadith* had to be verified from one of his conferees first, before being considered as authentic. Among the conferees[R] of Messenger, Abu Huraira[R] is the leading name, with whom the maximum number of *ahadith* are associated, the total figure is five thousand three hundred and seventy four—although he embraced Islam in Khyber. He had the privilege to benefit from the life of Messenger for only three years. So how come, for *ahadith* associated with Abu Hurarıa[R], we have such a big figure. Even then, many of these *ahadith* cannot be captured by knowledge or

even for Messenger's conferees. He reprimanded Hazrat Abdullah bin Masood[R], Abul Durda[R] and Abu Zahry[R], as to why they narrated the traditions of Muhammad[PBUH]? He then put all three under house arrest in Medina and did not let them out for as long as he lived. The third Caliph, Hazrat Othman[R] did not pay any heed to *hadith* or traditions. Once Hazrat Ali's son came to Hazrat Othman[R] with a script of command by Muhammad[PBUH], about *zakat*. Hazrat Othman[R], asked to be excused! *(quoted by Al Sheikh Azhir bin Saleh).*

The fourth Caliph, Hazrat Ali[R] also forbade people from *hadith*. And if anyone, narrated a *hadith* in front of him, he took an oath from that person, as to what he was saying was true. He often advised as not to narrate any *hadith* of which they did not know. As this habit of *hadith* would lead to disregarding the Messenger, which surely they all did not want.

Just like the Caliphs, in matters of traditions, they were extremely cautious, some of them completely looked the other way. It has it in Sahih Bokhari, Hazrat Abdullah asked his father Hazrat Zubair, "I have never heard you explaining *ahadith* like other conferees[R] of Messenger do?" His father replied, "I have remained very close to the Messenger and I heard him say, that whosoever spoke dishonestly about him, he must prepare himself for hellfire.

He further said, "I am noticing, people have purposely added متعمدا in the sentence; God is my witness, I have not heard that word from the lips of Messenger. *(Al Sheikh Zahir bin Saleh)* It appears people have made an addition to amend the tradition. Otherwise the fact remains, whether purposely or without purpose, to attribute incorrect traditions to Messenger, is tantamount to inviting Hell. Hazrat Ans[R] also has it, the same statement quoted above, that it ceases me from explaining *hadith*.

Sunun Ibne Majah has it, Abdur Rahman bin abi Laila requested Hazrat Zaid bin Arqain[R] to narrate any *hadith* of Messenger Muhammad[PBUH]. He replied, "I have become old and have forgotten. Moreover, it is extremely hard to speak on this issue." Saaib bin Yazid states, he went with Saad bin Malik to Medina, but did not hear anything from him on *hadith*. In the same way Imama Shay'bee said, he remained in the company of Hazrat Omar[R] for full one year, but did not hear any *hadith* from him. The followers or conferees of Messenger, not only refrained from narrating *ahadith*, they did not accept these parables even from others very easily and were very reluctant also.

Hazrat Abdullah Ibne Abbas[R] did not accept Abu Huraira[R], when he narrated the tradition, that *wadhu* is annulled when anybody comes in contact with anything that has touched fire. He said, "That way, we must then not *wadhu* with hot water, as it has been touched by fire." Hazrat Abdullah ibne Omar[R] also heard the tradition of field dog from Abu Huraira[R] and said, "I know Abu Huraira[R] has some fields!"

Umayya bin Zaid, a little distance from Masjid e Nabvi). Then we narrated to each other, whatever we went through each day. (Sahih Bokhari) As there were also hypocrites among them, so the conferees[R] listened to those whom they considered trustworthy. These hypocrites spread rumors about Messenger, and indulged in prate and gossip and also mixed with Muslims. It was difficult to distinguish them in the early years. Apparently it seems, that even God was compelled to warn and address His Messenger:

وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ (۹/۱۰۱)

"Some people in Medina are bent on splitting you, you knoweth not, we knoweth!" (9/101)

However, the Messenger himself had emphatically said, as to not to write about his sayings and deeds. That is why, during the lifetime of Messenger we find very few traditions and those that we do have, are of little significance. As for his followers, since they had been deprived of their most beloved leader, so during leisure time when three or four of them got together, they recalled the Messenger's activities and refreshed their memories. Later we find contradictory statements among his disciples[R], because of which, the first Caliph, Hazrat Abu Bakr[R] imposed a complete ban on the writing of *Ahadith.* He called them together and said:

> "You squabble among yourselves over *hadith,* this habit will increase as time goes by. Do not, therefore, narrate any saying of Messenger. If anyone wants to know, you can tell him the Quran is there between you and him. Whatever is allowed ought to be done, and refrain from what has been prohibited in the Quran." *(T'zakr tul Hifaaz)*

Inspite of this prohibition, we find people continued with *hadith,* it was not considered... as a crime! The second Caliph also tried to put a ban on *hadith* writing—Qarza bin Ka'ab has it that once they commenced their journey for Iraq. Hazrat Omar[R] accompanied them till a place called Sira'ar, upon reaching there he inquired from them, "Do you know why I have come with you this far?" We replied, "For our welfare and in our honor!" He said, "Yes! And also that you are going, where the voice of Quran echoes like honeybees. Do not involve those people in *Ahadith,* and stop them from the Quran or narrate any traditions to them." Qarza says, after that day, they did not remember narrating any *hadith* again. *(Jama ul Biyaan)*

Farooq e Azam (title of Hazrat Omar[R]) was so strict when it came to *hadith,* when he saw Abi bin Qa'ab narrating *Ahadith,* he went after him with his big cane. *(T'zakr tul Hifaaz)* Once Abu Salma asked Abu Huraira[R] who was famous for telling *hadith,* "Did you narrate *Ahadith* in the same way, during the reign of Hazrat Omar[R]." He replied, "If I had done so, he would have physically scolded me." (Quoted by *Al Sheikh Zahir bin Saleh)* Hazrat Omar[R] had no reservations at all, in matters of *hadith.*

THE STATUS OF HADITH...

SAGA OF HADITH

ALLAMA ASLAM JIRAJPURI

Chapter 2

Translated By

Aboo B. Rana

****

Ahadith, meaning those sayings, deeds, ethos, *et cetera*, that are attributed to the Messenger Muhammad[PBUH], have been orally transmitted and are now compiled in book form. Concerning these traditions, discussions were initiated from the beginning that they do not, at all belong to *Deen*, and are only of historical value. Their attribution towards the Holy Messenger is ambiguous. As far as news or oral news is concerned, the morning news is completely changed in the evening. The bigger the personality on its agenda, the faster is the modification done of its news, and the messenger happens to be the biggest personality in the world for Muslims. However, from the very beginning of first century *hijra*, the *Ummah* was incised into sects, and these sects for their own selfish motives of survival, made and concocted *Ahadith* and attributed it to the Messenger. Numerous translations of narrators and fibsters on *Ahadith* issues are present in compiled forms. They all stand witness to the fact, that none of these compiled books on *Ahadith*, were written in the times of the Messenger or in the era of his conferees. The publication of ***Muta*** by Imam Malik comes closest to the Messenger's times and that also was written in second century *hijra*. All the remaining books on *Ahadith*, that is to include *Saha Sitaa*, were compiled in third century *hijra*.

The hadithists and authors who acknowledged these *Ahadith* of being a part of *Deen* and because of their influence, the *Ummah* took these *Ahadith* as *Deen* itself. Fortunately, there was one group among the scholars, who had always believed *hadith* as history of *Deen* and the Quran as *Deen* itself. I therefore thought it necessary, to bring in the limelight those chapters of the history of *Ahadith*, so as to project the real position of these traditions in history.

THE CUSTOM OF HADITH

The writing of traditions had commenced in the lifetime of the Messenger of Allah[SWT]. The times when his conferees were not privileged to have his company, they asked and listened to others, who were present in his respected company. It has it from Hazrat Omar[R], who said, 'Me and my neighbor took turns every day, to have the august company of the Messenger of Allah[SWT] (they lived in an area called Banu

FOUNDED IN 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL® AND QUAID-E-AZAM®

R.L.No. CPL-22
VOL:54
ISSUE 07

Monthly
TOLU-E-ISLAM
25-B, Gulberg 2, Lahore, PAKISTAN
Phone: 5714546, 5753666 Fax: 5866617
Email: idara@toluislam.com
Web Site: http://www.toluislam.com/

AMBER Range of Products:

Capacitors for Motor Start-Run, Fans, Blowers, Air Conditioners, Fluorescent Lamps, High Pressure/High Intensity Discharge Lamps, and, Power Factor Correction.

CUSTOMER SPECIFICATIONS ARE WELCOME!!

Amber Capacitors Limited
16-Link Mcleod Road, P. O. Box 468,
Lahore, PAKISTAN.

Phone: +92 42 722 5865, 722 6975
Fax: +92 42 723 2807, 586 6617
Web Site: http://ambercaps.com/
Email: amber@ambercaps.com